اپریل ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- دین میں نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت
  امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب (۱)
- بندگی کی صراطِ مستقیم
  حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کی ایک چشم کشا تحریر

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پاک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸ - ۳۱۲۷۵۰

SV ADVERTISING

نزولِ قرآن کے مُبارک مہینہ میں

جبکہ نیکیوں کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے

عِلم اور دعوتِ قرآن

کے فروغ اور اشاعت میں کچھ پیسہ صرف کر کے

اپنے اعزہ واقارب اور رفقاء واحباب کو کتابوں کا ھدیہ پیش کریں

جس سے آپ کا اجر و ثواب تو یقینی ہے ہی،

کیا عجب کہ کسی کی زندگی کا رُخ بھی بدل جائے

اور اس طرح آپ کے لیے صدقۂ جاریہ کی صورت بن جائے!

(۱)

ڈاکٹر اسرار احمد کی شہرۂ آفاق تالیف:

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا اعلیٰ ایڈیشن۔ (فی نسخہ -/۸) بیس بیس نسخوں کے پیکٹ، فی پیکٹ -/۱۰۰

بقیہ پشت ——— پر دیکھیے

(۲)

"مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق" کی آسان تلخیص

"قرآنِ حکیم اور ہماری ذمہ داریاں"

جس پر مؤلف کا نام بھی درج نہیں ہے تاکہ شخصی تعصب سدِ راہ نہ ہو

فی سینکڑہ: -/۱۵۰

(۳)

علماء کرام کے لیے رمضان المبارک کا بہترین تحفہ

مولانا حمید الدین فراہیؒ

کی دو معرکۃ الآراء تحقیقی تصانیف

● اقسام القرآن ● ذبیح کون ہے؟

دونوں کتابوں کے آٹھ آٹھ نسخوں کے پیکٹ: فی پیکٹ -/۵۰

(۴)

ڈاکٹر اسرار احمد

کی جملہ تصانیف اور تالیفات کا مکمل سیٹ

● جس میں بعض کتابوں کے اعلیٰ مجلد ایڈیشن بھی شامل ہیں:

کُل مالیت -/۴۵۶ ـــــ رعایتی قیمت -/۳۰۰

● جس میں تمام کتابوں کے عام غیر مجلد ایڈیشن ہی شامل ہیں:

کُل مالیت -/۳۱۴ رعایتی قیمت -/۲۰۰

المعلن: ناظم مکتبۂ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹

شمارہ: ۴

رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

اپریل ۱۹۹۰ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rushoime Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

●

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

——— عاکف سعید

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت ——— ۷

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب (۱)

الہدیٰ ——— (قسط ۶۴) ——— ۱۳

جہادِ فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ : شہادت علی الناس

——— ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا حق نواز جھنگوی کی المناک شہادت ——— ۴۳

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے تاثرات

بندگی کی صراطِ مستقیم ——— ۵۱

امیرِ تبلیغ مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی کی فکر انگیز تحریر

رفتارِ کار ——— ۷۷

★ تنظیمِ اسلامی کا پندرھواں سالانہ اجتماع

——— مرتب : محمد راشد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نیکیوں اور برکتوں کا موسم بہار سایہ فگن ہو چکا ہے۔ سال کے بارہ مہینوں میں یہ ایک مہینہ بندے اور ربّ کے مابین خصوصی تعلق کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کے دوران پروردگار کی رحمتیں اور عنایات بھی جوبن پر ہوتی ہیں اور روزے کی برکات کے باعث بندے کا جھکاؤ بھی اپنے پروردگار کی طرف سال کے بقیہ مہینوں کی نسبت نمایاں طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ مسجدیں آباد نظر آتی ہیں، سحر و افطار کے وقت گھروں اور محلوں میں رونق اور چلت پھرت غیر معمولی ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پہلے سے دینی احکام پر عمل پیرا ہوں اُن کے آتشِ شوق میں نمایاں اضافہ تو ہوتا ہی ہے، تلاوتِ قرآن حکیم اور نمازِ تراویح میں اُن لوگوں کی دلچسپی بھی دیدنی ہوتی ہے جو بالعموم سال بھر سوائے نمازِ جمعہ کے کبھی مساجد کا رُخ نہیں کرتے۔

دین و شریعت کے حاصل اور مقصود کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہو گا "تعلق مع اللہ" یعنی مخلوق کا اپنے خالق کو پہچان کر اُس کے دامن سے وابستہ ہو جانا۔ اور یوں تو 'سیر الی اللہ' کے طریقے اَن گنت اور لاتعداد بیان کیے جاتے ہیں لیکن بندے کا اپنے ربّ کے ساتھ جو زندہ تعلق قرآن حکیم کے واسطے سے قائم ہوتا ہے اس کا متبادل کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ قرآن اللہ کا 'کلام' ہے۔ یہ وہ مضبوط رسّی ہے جس کا ایک سرا از رُوئے فرمانِ نبویؐ 'اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا بندے کے ہاتھ میں ہے۔ یہ وہ 'عروۂ وثقیٰ' ہے جس کے لیے کوئی انقطاع نہیں۔ یہ وہ راہِ ہدایت ہے جس کا صحیح اور قابلِ اعتبار ہونا تو حتمی اور یقینی ہے ہی اس کی طرف لوگوں کو بلانے اور متوجہ کرنے والے کے راہ یاب ہونے کی بھی قسم کھائی جا سکتی ہے اس لیے کہ ایسے شخص کے راہِ مستقیم پر گامزن ہونے کی ضمانت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے

روزے کے ذریعے درحقیقت ایک بندے کے دل میں اپنے پروردگار سے تعلق اور اس کی جانب رجوع کی طلب اور خواہش پیدا ہوتی ہے، بالفاظِ دیگر رُوحِ انسانی اپنے مالک و پروردگار کی جانب بے تابی سے متوجہ ہوتی ہے اور اس روحانی پیاس کی تسکین کا سامان درحقیقت کلام اللہ کے ذریعے ہی فراہم ہوتا ہے شاید یہی سبب ہے کہ روزے کی عبادت کے لیے اُس ماہِ مبارک کا انتخاب کیا گیا ہے جس میں قرآن حکیم کا نزول ہُوا تھا اور یوں روزے اور قرآن کو جوڑ کر اُن کے باہمی تعلق کی جانب اشارہ دے دیا گیا۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ

مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانَ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۵) ۔ اِس مضمون کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمودات میں جس طرح وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان فرمایا ہے، وہ بلاشبہ "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" کی ایک درخشاں مثال ہے۔ اِس ضمن میں یہ ایک حدیث ہی کفالت کرے گی جسے امام بیہقیؒ نے 'شعب الایمان' میں روایت کیا ہے۔

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ

"روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' پس آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی۔

الحمدللہ کہ جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں آج سے چھ سال قبل ماہ رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمۂ قرآن کی جو مستحسن روایت قائم ہوئی تھی وہ آج بھی بلا کسی تعطل و انقطاع کے برقرار ہے۔ اور یہ مسلسل ساتواں سال ہے کہ اِس مبارک روایت کو نبھایا جا رہا ہے۔ اِس مرتبہ یہاں قرآن حکیم کے ترجمہ و مختصر تشریح کرنے کا فریضہ ایک بار پھر خود امیر تنظیم اسلامی نے اپنے ذمّے لیا ہے۔ پوری رات قرآن حکیم کے ساتھ بسر کرنے کے اس باسعادت اور روح پرور پروگرام میں کم و بیش تین صد افراد پابندی اور ذوق و شوق سے شرکت کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز عشاء کے ساتھ یہ پروگرام شروع ہوتا ہے تو سحری ہی کی خبر لاتا ہے۔ تاہم نوجوانوں کا شغف اور انہماک بھی دیدنی ہوتا ہے۔ شبِ جمعہ کو شرکاء کی تعداد میں نمایاں اضافہ نظر آتا ہے۔ اس پروگرام کے سبھی شرکاء اگرچہ اپنے اوپر اضافی مشقت تحمیل رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ شدید طلب اور روحانی پیاس کے بغیر اس درجے مشقت اٹھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' لیکن اس

پروگرام میں سب سے بڑھ کر مشقت امیر محترم ہی کے حصے میں آتی ہے جو کمالِ جذب و شوق کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھا رہے ہیں - قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں کا ایک حصہ امیر تنظیم کے لئے مخصوص کر لیں کہ اللہ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے' انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور تادیر خدمتِ قرآنی کی توفیق دیے رکھے -

ربنا تقبل منا صیامنا و قیامنا فانک خیر المتقبلین - آمین

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کا پندرہواں سالانہ اجتماع جو پانچ روز پر محیط تھا' حسب پروگرام ۲۳ مارچ کو اختتام پذیر ہوا - مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام سالانہ محاضراتِ قرآنی کا پروگرام بھی اس اجتماع کے شانہ بشانہ چلتا رہا - یوں رفقاءِ تنظیم اسلامی کو بیک وقت علمی و تحریکی افادیت کے حامل پروگراموں سے استفادے کا بھرپور موقع ملا - اس موقع پر ہفت روزہ "ندا" نے ایک خصوصی نمبر شائع کیا ہے جس میں ان دونوں پروگراموں کی ایک حد تک "کوریج" (Coverage) کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کی دعوت کا خلاصہ اور پندرہ سالہ تاریخ کے پس منظر میں اس تحریک کا سرسری تعارف بھی شامل ہے - یہ پرچہ چونکہ ایک صاحب خیر کی جانب سے "میثاق" کے تمام قارئین کو ہدیہ کیا جا رہا ہے لہٰذا مذکورہ بالا دونوں اہم اجتماعات کے بارے میں "میثاق" کے اس شمارے میں زیادہ تفصیلی مواد شامل نہیں کیا جا رہا - تاہم ایک مختصر رپورٹ ضرور شائع کی جا رہی ہے جس میں واقعاتی ترتیب کے ساتھ ان پروگراموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے ------ قارئین کی خدمت میں "ندا" ارسال کرنے سے مقصود یہ بھی ہے کہ وہ اس ہفتہ وار پرچے سے متعارف ہوں اور اس کی سرپرستی قبول کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں - ادارہ "ندا" کی طرف سے قارئین "میثاق" کے لئے سالانہ زر تعاون میں خصوصی رعایت کا اعلان اسی شمارے میں شامل ہے -

☆ ☆ ☆

رمضان المبارک کی مناسبت سے امیر تنظیم اسلامی کی تالیفات بالخصوص "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" اور اسی کے خلاصے پر مشتمل "قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں" نامی کتابچوں کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی غرض سے ایک خصوصی مہم کا آغاز کیا گیا ہے - اس شمارے کے آغاز میں دو صفحات پر مشتمل وہ اشتہار اسی مہم کا حصہ ہے جس میں اس ماہ مبارک کے دوران ان کتابچوں کی خریداری پر خصوصی بلکہ غیر معمولی رعایت کا اعلان کیا گیا ہے - ہم سب کو اس ضمن میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا اور "رجوع الی القرآن" کی اس مہم میں اپنا اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے -

(باقی صـ ۸۶ پر)

قارئینِ میثاق کے لیے
ایک خصوصی پیشکش

"میثاق" کے قارئین کو ایک صاحبِ خیر کے تعاون سے "ندا" کی ایک خصوصی اشاعت بطور ہدیہ ارسال کی گئی ہے - یہ شمارہ اگرچہ ایک ہی موضوع کا احاطہ کرتا ہے تاہم "ندا" اسی فکر کا مستقل ترجمان ہے - اِسے ملک کے سیاسی ہفت روزوں میں یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ اندھی بہری جانبداری کی عمومی ڈگر کو چھوڑ کر اِس نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور صحافت میں سنجیدگی و متانت کا دامن تھاما ہے - "ندا" کو ہر ہفتے باقاعدگی سے شائع ہوتے اب دو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں -

"ندا" کا سال بھر کے لئے زرِ تعاون تین سو روپے ہے لیکن قارئینِ میثاق کو دو ماہ کے لئے ایک خصوصی پیشکش کی جا رہی ہے - رواں ماہ اپریل اور مئی کے دوران اگر آپ سالانہ خریداری قبول فرمائیں تو آپ کو صرف دو سو روپے ادا کرنے ہوں گے - اِس رعایت سے فائدہ اٹھائیے اور منی آرڈر سے یا لاہور کے کسی بھی بینک پر ڈرافٹ کے ذریعے دو سو روپے بھیجنے میں تاخیر نہ کیجئے تاکہ اِس خصوصی رعایت سے آپ محروم نہ رہیں -

ہمیں یقین ہے کہ آپ کے گھر کا ہر فرد "ندا" کا خوش دلی سے استقبال کرے گا -

ہفت روزہ **ندا** لاہور

۱۲ افغانی روڈ - سمن آباد - لاہور (پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰)

("ندا" کی کتابت و طباعت کا معیار ملک کے ممتاز جرائد سے کسی طرح کم نہیں لیکن افسوس کہ اُس کی نمائندگی ہماری اِس خصوصی اشاعت میں نہیں ہو سکی جس میں ہماری کوششوں کے عجز کے ساتھ رمضان المبارک کی وجہ سے معمولات کے درہم برہم ہو جانے کو بھی دخل ہے)

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیّت

علماء وصلحاء کے کرنے کا اصل کام
اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
کا ایک فکر انگیز خطاب

ترتیب وتسوید
حافظ خالد محمود خضر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اواخر جنوری ۱۹۸۹ء میں ہاشو آڈیٹوریم کراچی میں "نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت" کے موضوع پر ایک مفصل خطاب ارشاد فرمایا تھا، جس کے دو ذیلی عنوانات مقرر فرماتے تھے: (۱) "علماء و صلحاء کے کرنے کا اصل کام" ——— اور (۲) "عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ"۔ قبل ازیں مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں بھی اپنے چار خطاباتِ جمعہ میں امیر محترم انہی موضوعات پر خطاب فرما چکے تھے۔ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ادارۂ تحریر کے رکن حافظ خالد محمود خضر صاحب نے امیر محترم کے خطابِ کراچی کی ترتیب و تسوید کی ہے اور اس میں لاہور کے خطاباتِ جمعہ کے اُن نکات کو بھی سمونے کی کوشش کی ہے، جو خطابِ مذکور کے علاوہ ہیں۔

اس فکر انگیز خطاب میں امیر محترم نے "نہی عن المنکر" کے خصوصی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے دو تمہیدی باتیں قدرے وضاحت کے ساتھ پیش فرمائیں ——— ایک یہ کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے اور یہ خاص طور پر امتِ مسلمہ کی غرضِ تأسیس کے ضمن میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے! اور دوسری یہ کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' لازم و ملزوم ہیں، یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ اور ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

میثاق کے زیرِ نظر شمارے میں اس خطاب کا تمہیدی حصہ نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔ باقی خطاب بھی ان شاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں قسط وار شائع کر دیا جائے گا ——— میثاق میں ان اقساط کی اشاعت مکمل ہونے پر یہ خطاب اور "امتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے زیرِ عنوان امیر محترم کا ایک اہم خطاب جو میثاق فروری ۹۰ء میں شائع ہوا ہے، یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کر دیا جائے گا۔

(ادارہ)

اُمّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس

قرآنِ حکیم کی دو۲ اصطلاحات کے حوالے سے

امّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس اور اس کے مقصدِ وجود کے بیان میں قرآن مجید نے دو۲ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح ذرا فلسفیانہ ہے اور اسے سمجھنے کیلئے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ دوسری اصطلاح نسبتاً عام فہم اور آسان ہے۔ قرآنِ حکیم چونکہ عوام اور خواص سب کے لیے کتابِ ہدایت ہے، اس میں فلاسفہ و حکماء کے لیے بھی رہنمائی ہے اور عوام النّاس کے لیے رہنمائی کا فریضہ بھی اسی کتابِ عزیز کو سرانجام دینا ہے، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اس میں اگرچہ بڑے گہرے علمی مضامین اور فلسفیانہ مباحث بھی ہیں، لیکن یہ اپنے اصل مقصد کو بڑے عام فہم انداز اور بڑی سلیس زبان میں بھی ادا کر دیتا ہے۔ تاکہ ایک طرف اہلِ خرد کے لیے سامانِ غور و فکر مہیا ہو جائے تو دوسری طرف عوام بھی اس کی ہدایت و رہنمائی سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ امّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے بھی اس میں دو۲ اصطلاحات بیان فرمائی گئیں۔ (۱) شہادت علی الناس (۲) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ان دو۲ اصطلاحات پر غور کرنے سے پہلے امّت کی غرضِ تاسیس کی اہمیّت کو سمجھئے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی بھی اجتماعی ہیئت تشکیل دی جائے، خواہ وہ ایک چھوٹے سے چھوٹا ادارہ ہی کیوں نہ ہو، تو سب سے پہلے اس کے اغراض و مقاصد اور اہداف معیّن کیے جاتے ہیں۔ تو یہ جو اتنی بڑی امّت تشکیل دی گئی تو اس کی غرضِ تاسیس کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ امّت کے تو معنی ہی ہم مقصد لوگوں کی اجتماعیت کے ہیں۔ عربی زبان میں "اَمَّ۔ یَؤُمُّ" کے معنی ہیں 'قصد کرنا'، 'ارادہ کرنا'۔ قرآن مجید میں حُجّاجِ کرام کو "اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ"[1] کہا گیا ہے جو اطراف و اکنافِ عالم سے بیت اللہ شریف کا قصد کر کے چلتے ہیں۔ "اَمَّ۔ یَؤُمُّ" ہی سے لفظ "اُمّۃ" بنا ہے، یعنی ایسے لوگوں پر مشتمل اجتماعیت جن کا قصد ایک ہے، مقصد ایک ہے، ہدف ایک ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں اکثر نے اِس امّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غرضِ

---

[1] المائدہ: ۲

تاسیس اور اس کے مقصدِ وجود کے بارے میں کبھی غور بھی نہیں کیا۔ اس امت کی رکنیت ہمیں پیدائشی طور پر ملی ہے۔ ہم مسلمان اس لیے بن گئے ہیں کہ ہم اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے ہاں پیدا ہو گئے اور اسلام کی یہ دولت ہمیں بغیر کسی ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کے اور بغیر کوئی نقصان برداشت کیے ہوئے میسر آ گئی۔ لہٰذا ہم نے اکثر و بیشتر کبھی یہ غور کرنے کی تکلیف تک نہیں کی کہ اس مسلمان ہونے کے تقاضے کیا ہیں! اس امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کیا ہے! یہ امت آخر کیوں برپا کی گئی ہے! تو آیئے آج امت کی اس غرضِ تاسیس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھیے!

جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے، قرآن حکیم نے اس کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں:

۱۔ شہادت علی الناس

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرۃ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت (بہترین امت) بنایا، تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر ــــ اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر"

قرآن حکیم کا ایک اصول میں نے بارہا بیان کیا ہے اور میرے دروس کی محافل میں شرکت کرنے والے حضرات نے مجھ سے کئی مرتبہ یہ بات سنی ہوگی کہ مطالعۂ قرآن اور اس پر غور و فکر کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ یہ مضمون جو سورۃ البقرۃ میں دوسرے پارے کے آغاز میں آیا ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرو، محنت اور جدّوجہد کرو، جیسا کہ اس کی جدّوجہد کا حق ہے۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ: اس نے تمہیں چُن لیا ہے، پسند کر لیا ہے لیکن یہ چناؤ، یہ انتخاب کس لیے ہوا:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

"تاکہ رسول گواہ بن جائیں تم پر، اور تم گواہ بن جاؤ پوری نوعِ انسانی پر!"

دونوں مقامات پر مضمون ایک ہی ہے، صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرہ میں امت کا ذکر پہلے ہے اور رسولؐ اللہ کا ذکر بعد میں ——— جبکہ سورۃ الحج میں رسولؐ اللہ کا ذکر پہلے ہے اور امت کا بعد میں۔

"شہادت علی الناس" اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس پر "اسلام کا فلسفۂ شہادت" کے عنوان سے میرے کیسٹ موجود ہیں۔ اس "شہادت علی الناس" کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ شہادت کسی کے حق میں ہوتی ہے اور کسی کے خلاف۔ آپ اگر کسی مقدمے میں بطور گواہ پیش ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ آپ کی گواہی ایک فریق کے حق میں جاتی ہے اور دوسرے کے خلاف جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی گواہی کے یہ دونوں پہلو آئے ہیں۔ کسی کے حق میں گواہی کو "لِ" کے ساتھ اور کسی کے خلاف گواہی کو "علیٰ" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ یعنی اے ایمان والو! اللہ کے حق میں گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اپنی زبان اور اپنے عمل سے اللہ کی توحید اور اس کے دین کے گواہ بن جاؤ! تمہارا ہر عمل گواہی دے رہا ہو کہ تم اللہ کے ماننے والے ہو، تمہارا طرزِ عمل پکار پکار کر لوگوں کو بتا رہا ہو کہ یہ محمدؐ عربی کے نام لیوا ہیں۔ یہ گواہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے، جسے علامہ اقبال نے کہا ہے ع دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی! لیکن یہ گواہی کسی کے خلاف بھی پڑ رہی ہے۔ آپ نے جب دنیا کے سامنے دین کی حقانیت اور محمدؐ رسول اللہ کی صداقت کی گواہی دے دی تو اب ان کے اوپر ایک گواہی قائم ہو گئی۔ اب قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ اے اللہ ہمارے سامنے تو تیرا دین آیا ہی نہیں، ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ اللہ کیا چاہتا ہے، ہمیں تو کسی نے نہ تیرے ساتھ متعارف کرایا، نہ تیرے رسولؐ کے ساتھ اور نہ تیرے کلام کے ساتھ! یہ ہے لوگوں پر گواہی کا قائم ہو جانا جو قیامت کے دن ان کے خلاف پڑے گی۔ اس لیے کہ اگر لاعلمی ہو تو پھر بھی کوئی عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہیں تھا ——— اگرچہ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں تو عدالت کا اصول یہ ہے کہ 'IGNORANCE OF LAW IS NO EXCUSE' آپ کو اگر قانون معلوم نہیں ہے تو آپ عذر نہیں پیش کر سکتے۔ قانون چاہے آپ کے علم میں

ہو، چاہے نہ ہو، آپ قانون کی گرفت میں آئیں گے ـــــــ لیکن عدالتِ اُخروی میں معاملہ یہ نہیں ہے۔ وہاں لاعلمی بھی ایک عذر کے درجے میں آجائے گی۔ لہٰذا اللہ رسولوں کو بھیجتا رہا تاکہ لوگ لاعلمی کا عذر پیش نہ کر سکیں۔ رسُول اپنے قول وعمل اور کردار سے گواہی دے دیں کہ یہ ہے دینِ حق، یہ ہے اللہ کا دیا ہوا راستہ جس پر میں چل کر دکھا رہا ہوں۔ یہ راستہ ناقابلِ عمل بھی نہیں ہے، دیکھو میں تم جیسا انسان ہوں، مجھے بھی پیٹ لگا ہوا ہے، میری بھی احتیاجات ہیں میرے بھی بال بچے ہیں، زندگی کے تمام تقاضے میرے ساتھ بھی ہیں، پھر بھی میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزار رہا ہوں تو اس طرح سے لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت انبیاء و رسل کے مقصدِ بعثت کے ضمن میں قرآن حکیم کی اہم ترین اصطلاح ہے۔

چونکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوّت ختم ہو رہا تھا، لہٰذا یہ ذمّہ داری اجتماعی طور پر امّت کے سپرد کر دی گئی۔ اب انہیں اپنے قول وعمل سے انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ گواہی دینی ہے ـــــــ اور یہی امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ تاسیس ہے، بلحواتے الفاظ قرآنی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں لوگوں سے گواہی لے لی: الا ھل بلّغتُ ؟ "لوگو! میں نے پہنچا دیا ؟" اور سوا لاکھ کے مجمع نے بیک زبان کہا: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ۔ "ہاں حضورؐ، ہم گواہ ہیں، آپؐ نے حقِ رسالت ادا کر دیا، حقِ امانت ادا کر دیا، حقِ نصیحت ادا کر دیا۔" پھر اللہ کی جناب میں عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ "اے اللہ تو بھی گواہ رہ!" اب میری ذمّہ داری ختم ہو گئی، میرا فرضِ منصبی ادا ہو گیا ـــــــ پھر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ "پس اب پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔" یعنی اب یہ ذمّہ داری میرے کندھوں سے اتر کر تمہارے کندھوں پر آ گئی ہے۔ اب تمہیں یہ پیغام چہار دانگِ عالم میں پہنچانا ہے، اس لیے کہ میں صرف تمہارے لیے ہی رسول بن کر نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو پوری نوعِ انسانی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تو تا قیامِ قیامت اللہ کا رسول ہوں۔ جتنے انسان اس وقت دنیا میں ہیں اور جتنے انسان تا قیامِ قیامت آئیں گے میں اُن سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اب یہ شہادت

جو میں نے تم پر دی ہے، تمہیں دینی ہے پوری نوعِ انسانی پر!

بدقسمتی سے ہمارے ہاں لفظ شہادت کے صرف ایک ہی معنی عام ہو گئے، یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہی شہادت ہے۔ اور شہید کا صرف یہی ایک مفہوم رہ گیا کہ جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا مارا جائے۔ قرآن حکیم 'شاہد' اور 'شہید' کے الفاظ انبیاء و رسل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے تمام رسول شہید ہیں، حالانکہ رسول اللہ کی راہ میں قتل نہیں ہوتے۔ نبی ضرور قتل ہوتے ہیں، لیکن رسول کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود تمام رسول شہید ہیں۔ سب اللہ کے گواہ ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے عمل سے گواہی دیتے ہوئے بسر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (النساء : ۴۱)

"اُس دن کیا کیفیت ہوگی جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور اے نبیؐ آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان پر!"

جس امت کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ اُس عدالتِ اخروی میں شہادت دیں گے، TESTIFY کریں گے۔ رسول سرکاری گواہ (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت سے کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ تیرا دین اور تیرا پیغام جو مجھ تک آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ خود ذمہ دار اور مسئول ہیں۔ اور پھر آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے اور اپنی امت کے بارے میں TESTIFY کریں گے کہ اے اللہ میں نے انہیں تیرا دین پہنچا دیا تھا۔ اب اپنے طرزِ عمل کے ذمہ دار اور مسئول یہ خود ہیں۔ پھر امتِ مسلمہ کو کھڑے ہو کر یہی شہادت دینا ہوگی۔ اور اگر نہ دے سکی تو وہ گویا کہ دوسروں سے پہلے مجرم ہوگی۔ دوسروں کو دین کا پیغام پہنچانا اس کے ذمہ تھا، اگر اس نے نہیں پہنچایا تو دوسروں کی نافرمانی اور گمراہی کا وبال بھی اس پر آئے گا۔

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے قرآنِ حکیم میں آسان تر اصطلاح "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی اختیار کی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران میں امت کی غرضِ تاسیس کے لیے یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران آپس میں بہنیں ہیں یعنی یہ دونوں سورتیں ایک جوڑا ہیں۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

دنیا کی قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں، اپنے لیے جدّوجہد کرتی ہیں، اپنی ترقی، اپنی عظمت، اپنی سربلندی اور اپنے لیے قوت و سطوت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہیں۔ لیکن اے مسلمانو تمہیں دنیا والوں کے لیے زندہ رہنا ہے۔ جیسے اقبال نے 'شکوہ' میں کہا ہے ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

تم بہترین امّت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔ تمہارا کام کیا ہے؟ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ نیکی کا حکم دو! وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور بدی سے روکو! وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ اور اللہ پر ایمان پختہ رکھو!! یہاں اس بات کو پھر ذہن میں تازہ کیجیے کہ اہم مضمون قرآنِ حکیم میں کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ اسی سورۂ مبارکہ میں یہ مضمون اس انداز سے آیا:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران: ۱۰۴)

"اور تم میں ایک امت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

ان دو آیات کے مابین ربط ملاحظہ کیجیے۔ پہلی آیت صحابہ کرامؓ کو خطاب کر رہی ہے۔

صحابہ کرامؓ وہ حضرات تھے جن میں سے ایک ایک فرد کو یہ معلوم تھا کہ میرا فرضِ منصبی کیا ہے۔ میں کس لیے امّتِ محمدؐ میں شامل ہوا ہوں، بحیثیتِ امّتی میری ذمہ داری کیا ہے۔ لہٰذا وہاں مجموعی طور پر امّت کو خطاب کیا گیا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ... الخ یعنی اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) تم بہترین امّت ہو، بہترین جماعت ہو، پوری انسانی تاریخ کے اندر بہترین گروہ ہو، جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو اُن کی بھلائی اور بہبود کے لیے، ان کی آخرت سنوارنے کے لیے، انہیں حق کی طرف بلانے کے لیے، انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے، انہیں ظلم و ستم کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے۔ اور تمہارا تو فرضِ منصبی ہی نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ہے! لیکن دوسری آیت درحقیقت اُس دور کے لیے ہے جب امّت اپنے فرضِ منصبی کو بھول چکی ہو۔ جیسے مثلاً آج کا دور ہے۔ آج ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم بھی ایک قوم ہیں جیسے دنیا میں اور قومیں ہیں، ہم میں سے ہر فرد کو بھی اسی لیے جینا ہے اور دوڑ بھاگ کرنی ہے جیسے کوئی ہندو، کوئی سکھ اور کوئی پارسی اپنی معاش کے لیے اپنی اولاد کی پرورش کے لیے، اپنا گھر بنانے، اس کو سجانے اور ساز و سامان جمع کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، وہ جانا چاہے تو کسی مندر میں چلا جاتا ہے۔ اور ہم میں بھی نماز پڑھنے والے کتنے رہ گئے ہیں؟ پھر یہ کہ اجتماعی سطح پر جو اُن کے اہداف اور مقاصد ہیں وہی ہمارے مقاصد ہیں۔ ان کا بھی زور چلتا ہے تو وہ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، دوسروں کی زمینیں چھین لیتے ہیں، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں، ہمارا بھی داؤ لگتا ہے تو ہم بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا دورِ زوال کہ امت بھول گئی کہ ہماری غرض تاسیس کیا تھی، ہمارے مقاصد کیا تھے، ہمارا نصب العین کیا تھا!

اس دورِ زوال کے لیے قرآن حکیم یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اس امت میں سے کچھ لوگ جو بیدار ہو جائیں، جو ہوش میں آجائیں، جنہیں اپنا مقصدِ وجود یاد آجائے وہ دوسروں کو جگائیں! انجمن کے لیے 'ہمدرد' کا جو رسالہ 'نونہال' نکلتا ہے اس میں آپ نے ایک عنوان دیکھا ہوگا "جاگو اور جگاؤ!" مجھے یہ SLOGAN بہت پسند ہے۔ یہ بڑی اچھی اور عام فہم اصطلاح ہے۔ خود جاگو! اور جو جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگائیں، خوابِ غفلت سے بیدار کریں جنہیں یہ ہوش آگیا ہے کہ

میں مسلمان ہوں، یہ میری ذمہ داری ہے، میں تو بحیثیتِ مجموعی اُس امت کا فرد ہوں جو دنیا والوں کی بھلائی کے لیے برپا کی گئی ہے، میرے ذمے تو بڑا عظیم فریضہ ہے، ایسا فریضہ جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سپرد کرتا رہا ہے ـــــ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، یہ اب دوسروں کو جگائیں۔ اس طرح جو جاگتے جائیں وہ ایک امّت بن جائیں، امّت میں ایک چھوٹی امّت ـــــ جیسے آپ کہتے ہیں 'PARTY WITHIN PARTY' اور 'STATE WITHIN STATE' ایک تو بڑی امّت ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتی اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ کی تعداد میں ہیں لیکن سوئے ہوتے ہیں۔ کس اعتبار سے سوئے ہیں ؟ دنیا کے اعتبار سے سوئے ہوتے نہیں ہیں، ہر شخص اپنی بہتری کے لیے کوشاں ہے، زور لگا رہا ہے، دن رات محنت کر رہا ہے۔ البتہ دین کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ بحیثیتِ امّتِ محمدؐ جو ذمہ داری تھی، اس کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ تو جو جاگ جائیں وہ اِن سونے والوں کو جگائیں۔ اور آپس میں مل جُل کر اس بڑی امّت میں ایک چھوٹی امّت بنائیں۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ "تم میں سے ایک امّت تو ایسی لازماً ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے" اور اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور پر نوٹ کیجیے: وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ "اور یہ جان لو کہ صرف وہی ہوں گے فلاح پانے والے"۔ یہ سوتے ہوتے فلاح نہیں پائیں گے۔ جو جاگ جائیں گے اور دوسروں کو جگائیں گے اور جو اپنے اس دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرضِ منصبی کو ادا کریں گے، صرف وہ ہوں گے فلاح پانے والے۔ آپ صدق دل سے دعا کیجیے: اَللّٰھم ربّنا اجعلنا منھم۔ اے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!

اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر
لازم و ملزوم ہیں

قرآن حکیم 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کو ایک وحدت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ان کی حیثیت ایک حیاتیاتی اکائی (ORGANIC WHOLE) کی سی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے اس دَور میں بہت سے انتہائی نیک اور نیک نیّت لوگ، جو دین کے لیے حرکت اور جدّ و جہد بھی کر رہے ہیں، جو اپنے گھروں سے دین کی محنت کیلئے نکلتے ہیں، ایک مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ مغالطہ یہ ہے کہ صرف نیکی کی تلقین کفایت کرتی ہے، نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی پر تنقید کا کوئی فائدہ نہیں، بھلائی کو پھیلاؤ، بھلائی کی تلقین کرو، جب بھلائی پھیلے گی تو بدی خود بخود رفع ہو جائے گی۔ بعض اعتبارات سے یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ تم روشنی پھیلاؤ، تاریکی خود بخود کافور ہوتی چلی جائیگی لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور دینی اعتبار سے بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں یہ حضرات گرفتار ہیں۔ ان کا مجاہدانہ کردار اور دین کے لیے ان کی محنتیں مسلّم ہیں۔ ان حضرات کے دم قدم سے دین کے نام پر پوری دنیا میں ایک بہت بڑی حرکت موجود ہے۔ ان کے بیس بیس اور پچیس پچیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی نیک نیتی سے اپنا وقت اور مال خرچ کرتے ہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے 'نہی عن المنکر' کا معاملہ معطّل کر کے رکھ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ قرآن حکیم کے نو مقامات کے حوالے سے اس بات کو سمجھ لیں اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں، یہ ایک گاڑی کے دو پہیے یا ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ آپ دو پہیوں والی گاڑی کو ایک پہیے پر چلائیں گے تو وہ آگے نہیں بڑھے گی، وہ اپنے AXIS پر گھوم جائے گی اور چکّر لگائے گی۔ گاڑی دو پہیوں پر ہی آگے بڑھتی ہے۔ ان دونوں کو جُدا کرنا حکمتِ قرآنی اور منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ میں انتہائی ادب کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ

کہے کہ قرآن مجید تو یہ دو چیزیں بیان کر رہا ہے، لیکن اصل میں تو ایک ہی چیز ضروری ہے تو معلوم یہ ہوا کہ اس نے قرآن مجید پر طعن کیا ہے، گویا کہ اللہ کے کلام میں نقص نکالا ہے کہ شاید یہ صرف شاعری ہو رہی ہے، محض لفاظی ہو رہی ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ قرآن اگر ان دونوں چیزوں کو ایک یکجا اصطلاح کے طور پر لا رہا ہے تو وہ بلا مقصد نہیں لا رہا۔

اب ہم ان نو مقامات کا ایک ایک کر کے مطالعہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر مقام کے لیے میں نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

۱۔ شانِ باری تعالیٰ ——— النحل: ۹۰

یہ آیۂ مبارکہ آپ میں سے ہر شخص کو یاد ہو گی، کیونکہ ہر خطبۂ جمعہ کے اختتام پر آپ یہ آیت سنتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے کا ——— اور روکتا ہے بے حیائی سے، برائی سے اور سرکشی سے۔ تم کو سمجھاتا ہے، تاکہ تم یاد رکھو۔"

یہ آیۂ مبارکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان کر رہی ہے کہ وہ خود نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ یہ آیت شریعت کے لیے ایک SYMBOL کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ شریعت نام ہی اوامر و نواہی کا ہے۔ اس آیت میں کس قدر خوبصورت توازن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا اور تین باتوں سے روکا۔ حسنِ توازن کے ساتھ ساتھ اس میں حسنِ ترتیب بھی ہے۔ اس وقت ان آیات کا درس یا تفسیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ حقیقت آپ کے پیشِ نظر رہے کہ امر اور نہی دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اللہ اگر نیکیوں کا حکم دیتا ہے تو بدیوں سے روکتا بھی ہے۔ ورنہ اگر وہ فلسفہ درست ہوتا کہ محض نیکی کی تلقین سے بدی خود بخود ملیامیٹ ہو جائے گی تو بدی کی نشاندہی کر کے اس سے روکنے کی اضافی طور پر ضرورت نہیں تھی۔

۲۔ تقاضائے فطرت و حکمت ـــــ لقمٰن: ۱۷

حضرت لقمان کے بارے میں آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ وہ نہ نبی تھے، نہ کسی نبی کے امتی تھے۔ وہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل حکیم و دانا انسان تھے۔ انہوں نے اپنے غور و فکر سے جو نتائج اخذ کیے ان کی جھلک ان کی نصیحتوں میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع ان کی ان وصیتوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان وصیتوں کا آغاز اس آیۂ مبارکہ سے ہوتا ہے: وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ اس طرح قرآن حکیم نے حضرت لقمان کو امر بنا دیا ہے، اس لیے کہ جب تک قرآن موجود ہے اُن کا ذکر موجود ہے۔ اور قرآن تو ہمیشہ رہے گا، لہٰذا ان کا ذکر بھی ہمیشہ موجود رہے گا۔ تو اللہ نے اس انداز سے اپنے اُس بندے کی شان بڑھائی ہے۔ قرآن مجید میں اس طریقے سے تعیّن کے ساتھ یا تو رسولوں کا نام آتا ہے یا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت زیدؓ کا نام آیا ہے۔ صحابہؓ حضرت زیدؓ کا ذکر خاص طور پر اس اعتبار سے کیا کرتے تھے کہ یہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ان کا نام قرآن میں آیا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا... الخ کے حوالے سے لوگ رشک سے کہا کرتے تھے کہ زیدؓ، تمہارا نام قرآن میں آیا ہے۔ ایسے ہی حضرت لقمان کا نام قرآن میں آکر دوام حاصل کر گیا۔ یہ حکیم و دانا انسان اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیح کی روشنی میں بڑی بڑی حقیقتوں تک رسائی حاصل کر گئے۔ اسی لیے میں نے یہاں عنوان قائم کیا ہے "تقاضائے فطرت و حکمت"۔ قرآن حکیم میں ان کی وصیت نقل فرمائی گئی:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

"اے میرے بچے، نماز قائم رکھ، نیکی کا حکم دے، بدی سے روک، اور پھر صبر کر اُس پر جو تجھ پر بیتے! بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

دیکھیے، کتنی پیاری بات ہے نیکی کی تلقین پر کبھی آپ کو کسی ردِّ عمل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لوگ سُن لیں گے، مانیں یا نہ مانیں۔ آپ کسی سے کہیں کہ بھئی، بھلا کام کیا کرو، نماز پڑھا کرو، روزہ رکھا کرو تو اس پر کوئی پلٹ کر آپ کو گالی نہیں دے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جیسے چکنے گھڑے

پر پانی پڑتا ہے تو پھسل جاتا ہے، اس طرح لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں ——— لیکن اصل میں لوگوں کی طرف سے جوابی کارروائی اُس وقت ہوتی ہے جب آپ انہیں بدی سے روکیں۔ اُس وقت پھر RESENTMENT اور RETALIATION ہوتی ہے۔ آپ چھوٹے سے بچے سے یہ کہہ کر دیکھیے کہ "بیٹے یہ کھیلنے کی جگہ نہیں ہے، یہ کرکٹ کا میدان نہیں ہے، یہ سڑک ہے، تمہاری گیند کسی کا سر پھوڑ دے گی، کسی کی گاڑی کا شیشہ ٹوٹ جائے گا ———" لیکن یہ کہہ کر پھر وہاں سے آپ کا اپنی عزت کو سالم لے کر واپس چلا آنا آسان نہیں ہو گا۔ اس طرح کی چھوٹی سے چھوٹی بات کسی سے کہہ کر دیکھ لیجئے، وہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔ اسی لیے حضرت لقمان نے فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ ——— یعنی بدی سے روکنے پر جو تجھ پر بیتے پھر اسے جھیل، اس پر صبر کر! یہی تو ربط ہے سورۃ العصر کے مضامین میں کہ 'وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ' کے ساتھ 'وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ' کا حکم بھی دیا گیا۔ حق کی وصیت کر کے ظاہر بات ہے کہ پھر آپ کو صبر کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔

۳۔ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ——— الاعراف: ۱۵۷

اس آیۂ مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کے لیے کوہِ طُور پر بلا لیا، اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس راتیں کیا گیا، تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس پر حکم دیا گیا کہ ہر قبیلے میں سے جو لوگ توحید پر قائم رہے وہ اپنے اُن رشتہ داروں کو ذبح کریں جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اور نبیؑ کے ساتھی ہونے کے بعد گائے کی پرستش کی ان کے لیے توبہ کی یہ صورت مقرر کی گئی۔ چنانچہ تاریخِ انسانی کی اس سب سے بڑی توبہ میں، جسے آج کی اصطلاح میں 'PURGE' کہا جا سکتا ہے، ستر ہزار یہودی قتل کیے گئے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ستر سرکردہ لوگوں کو لے کر کوہِ طُور پر حاضر ہوئے اور دعا کی کہ پروردگار، ہم سے خطا ہو گئی ہے تو معاف فرما دے، اور ہمارے لیے رحمت کا فیصلہ فرما دے! اس کا جواب دیا گیا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ الخ۔ یعنی ایک تو میری رحمتِ عام ہے جو ہر شے کو محیط ہے لیکن ایک میری خاص رحمت ہے جو میں نے لکھ دی ہے اپنے اُن پرہیزگار بندوں کے لیے جو میرے رسول نبی امی صلی اللہ

علیہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔ (اللہ کرے کہ میں اور آپ اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں۔) اس آیۂ مبارکہ میں ان نیک بندوں کا ذکر اور رسول نبیِّ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان ہوئی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ۔ الخ

"وہ لوگ کہ جو پیروی کریں گے میرے رسول نبیِّ امّی کی جس کو وہ موجود پائیں گے اپنے پاس لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔ (وہ نبیؐ) انہیں نیکیوں کا حکم دیں گے، بدی سے روکیں گے، ان کے لیے طیب چیزوں کو حلال ٹھہرائیں گے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے۔"

رسول نبیِّ امّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ مبارک کے بیان میں پہلی چیز وہی گاڑی کے دو پہیے ہیں: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

۴۔ شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم ——— التوبہ: ۷۱

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں درجہ بدرجہ ایک ایک سیڑھی اتر رہا ہوں ——— سب سے اُوپر شانِ باری تعالیٰ، دوسرے نمبر پر فطرتِ سلیمہ جس کے لیے قرآن حکیم میں الفاظ آتے ہیں: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ تیسرے نمبر پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اب چوتھے نمبر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ سورۃ التوبہ میں صحابہؓ کی شان یہ بیان فرمائی گئی:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور حمایتی ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں . . ."

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۵۔ کیفیتِ منافقین ——— التوبہ: ۶۷

شانِ صحابہؓ کا 'CONVERSE' منافقین کی کیفیت میں دیکھا جا سکتا ہے سورۃ التوبہ

ہی کی آیت ۶۷ میں کیفیتِ منافقین اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ الخ

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں۔ (یہ ایک دوسرے کے ساتھی، مددگار اور پشت پناہ ہیں)۔ یہ نیکی سے روکتے ہیں اور بدی کا حکم دیتے ہیں..."

معلوم ہوا کہ آپ اس عمل کو معکوس بھی کر دیں تو بھی یہ ایک وحدت ہی رہے گا۔ آپ انہیں تقسیم نہیں کر سکتے۔ یا تو کردار وہ ہوگا کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ـــــ اور یا پھر کردار یہ ہو جائے گا کہ بدی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: كَيْفَ بِكُمْ اِذَا لَمْ تَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ تَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ "تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کا حکم دینا چھوڑ دو گے اور بدی سے روکنا چھوڑ دو گے؟" صحابہؓ حیران ہوئے۔ ان کے لیے تو یہ ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ گمان بات تھی۔ انہوں نے کہا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ ذٰلِكَ لَكَائِنٌ؟ "اے اللہ کے رسولؐ، کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟" آپ نے فرمایا: نَعَمْ، وَاَشَدُّ، كَيْفَ بِكُمْ اِذَا اَمَرْتُمْ بِالْمُنْكَرِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمَعْرُوْفِ؟ "ہاں" (تم اسی پر حیران ہو رہے ہو میرے صحابہؓ!) اس سے بھی شدید کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بدی کا حکم دو گے اور نیکی سے روکو گے! یہ وہ کیفیت ہے جو قرآن حکیم میں منافقین کی بیان فرمائی گئی۔ گویا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب میری امت میں نفاق عام ہو جائے گا۔ آج آپ کا معاشرہ یہی تصویر پیش کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا بہت مشکل ہے، جبکہ بدی کے راستے کشادہ ہیں اور ان پر کوئی مزاحمت نہیں۔ کوئی نوجوان ذرا داڑھی رکھ لے تو تمام رشتہ دار، اعزّہ و اقارب حتیٰ کہ والدین سب اسے طعن و تشنیع کا ہدف بنائیں گے کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ذرا گھر میں شرعی پردہ نافذ کر کے دیکھیے، آپ اپنے معاشرے سے نکال دیئے جائیں گے، آپ کا تعلّق آپ کے عزیزوں سے کٹ جائے گا۔ اب ذرا اسی حدیث کا آخری ٹکڑا ملاحظہ کیجیے۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی اس پیشگوئی پر مزید تعجّب کا اظہار کیا کہ یارسول اللہ، کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ تو

آپؐ نے فرمایا: نَعَمْ، وَاَشَدُّ، کَیْفَ بِکُمْ اِذَا رَاَیْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْکَرًا وَالْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا

"ہاں، بلکہ معاملہ اس سے بھی شدید تر ہوگا، اور اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کو بدی جاننے لگو گے اور بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاؤ گے"! یعنی میری امّت پر ایسا دور بھی آنے والا ہے جب خیر و شر کی تمیز تک ختم ہو جائے گی۔ نیکی کو بدی سمجھا جائے گا اور بدی لوگوں کو نیکی دکھائی دے گی۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ !!

۶۔ امّت کا فرضِ منصبی ——— آل عمران: ۱۱۰

اس آیۂ مبارکہ کا مطالعہ ہم پہلے ہی "امّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس" کے ضمن میں قدرے وضاحت کے ساتھ کر چکے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

۷۔ دورِ زوال میں امّتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کا نقطۂ عروج ——— آل عمران: ۱۰۴

سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں 'امّتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل' کے موضوع پر میں نے آپ کے اسی شہر کراچی میں ایک مسجد میں آج سے چار سال قبل ایک مفصّل خطاب کیا تھا۔ اس میں میں نے واضح کیا تھا کہ بگڑے ہوئے موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے صورتِ حال کس طریقے سے تبدیل ہو، اس کے لیے قرآن ہمیں کیا لائحہ عمل دیتا ہے۔ قرآن مجید تو ہمیشہ کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے۔ اس نے اُس دور کے لیے بھی ہدایت فراہم کی جس میں یہ نازل ہوا اور بعد والے ادوار کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی دی ہے۔ چنانچہ اس دورِ زوال میں اگر ہمیں اوپر اُٹھنے کے لیے لائحہ عمل درکار ہے تو بھی ہمیں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ قرآن مجید نے مذکورہ تین آیات میں ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا ہے، جس میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مل جل کر اللہ کی رسّی یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے

تھام لو اور بنیانِ مرصوص بن جاؤ، اور اس کا تیسرا نکتہ اور ذروۂ سنام یہ ہے کہ تم میں ایک جماعت تو ایسی قائم ہونی چاہیے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"تم میں سے ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے ـــــ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

قرآن نے جس جماعت کی ضرورت پر زور دیا ہے اس کے کرنے کے بس تین کام ہی بتائے ہیں ـــــ (۱) خیر کی طرف دعوت (۲) نیکی کا حکم اور (۳) بدی سے روکنا۔ میں یہاں پر عرض کر دوں کہ واقعہ یہ ہے کہ آج ہماری دینی جماعتیں بھی اپنے اصل ہدف سے ہٹ چکی ہیں۔ اپنے آپ کو پاور پالیٹکس میں ملوث کر لینا، کبھی کسی کا پاسنگ اور کبھی کسی کا ضمیمہ بن جانا اور سیاسی اعتبارات سے اِدھر سے اُدھر لڑھکتے پھرنا، یہ سب درحقیقت اپنے اصل ہدف سے ہٹ جانے کی بنا پر ہے۔

ع آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!

مذکورہ بالا تین آیات کی روشنی میں مَیں نے جو تقریر ۱۹۸۵ء میں یہاں کی تھی، اسے بھائی جمیل الرحمٰن صاحب نے ٹیپ سے اُتار لیا تھا اور اب وہ "مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہو گئی ہے[1]۔ (اللہ تعالیٰ بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کو جزائے خیر دے کہ میری بہت سی تقریریں انہی کے ذریعہ سے کتابی شکل میں آئی ہیں) یہ ایسا کتابچہ ہے جسے بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے ہمیں جو لائحہ عمل دیا ہے اسے اپنائے بغیر اس قعرِ مذلت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ غزوۂ حنین کے موقع پر جب آنحضورؐ اپنے جاں نثار صحابہؓ کے ساتھ ایک تنگ پہاڑی درّے سے گزر رہے تھے تو وہاں پہلے سے موجود کفار کی جانب سے تیروں کی اچانک بوچھاڑ سے ایک بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آوازِ بلند کی: اِلَیَّ یا عبادَ اللّٰہ، اِلَیَّ یا عبادَ اللّٰہ! اے

---

[1] یہ تقریر الگ شائع کرنے کی بجائے زیرِ نظر کتابچے ہی میں شامل کر دی گئی ہے۔

اللہ کے بندو، کدھر جا رہے ہو؟ میری طرف آؤ! آج قرآن یہی پکار لگا رہا ہے: اِلَیَّ یا عباد اللہ! آؤ، میری طرف آؤ! ع سوئے مادر آکہ تیمارت کند! قرآن پکار رہا ہے کہ آؤ، میرے پاس پروگرام اور لائحہ عمل ہے، میرے پاس ہدایت ہے ــــــ لیکن تم نے مجھے اپنا امام بنایا ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتابچے کا انتساب اُن باہمّت افراد کے نام کیا ہے جو قرآن حکیم کو واقعتاً اپنا امام اور رہنما بنانے کا فیصلہ کر لیں!

۸۔ اصحابِ اقتدار کا فرضِ عین ــــــ الحج : ۴۱

اِس سلسلے کا آٹھواں مقام سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ پر مشتمل ہے، جہاں ایک اسلامی حکومت کے اربابِ اختیار و اقتدار کے بنیادی اور اہم ترین فرائض گنوائے گئے ہیں:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

"وہ لوگ کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اختیار و اقتدار عطا فرما دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ آیات اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ یہ اُس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماتے ہوئے مکّہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، جہاں ایک اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آنا تھا۔ تو یہ گویا کہ "حزب اللہ" کا منشور (MENIFESTO) ہے کہ وہ لوگ جو حقیقتاً ایمان اور اسلام پر عمل پیرا اور کاربند ہوں، انہیں اگر اللہ اقتدار عطا فرما دے تو وہ کیا کریں گے! یہاں بھی نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کا ذکر ایک وحدت کے طور پر کیا گیا ہے۔

۹۔ سرفروش اور جانباز اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذروۂ سنام ــــــ التوبہ: ۱۱۱، ۱۱۲

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ
لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ
وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اللہ نے اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنّت ہے۔ (لہٰذا) وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ (جنّت کا یہ) وعدہ حق ہے، اس کے ذمّے ہے۔ (اللہ نے اس وعدے کی توثیق کی ہے) تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس تجارت پر جو تم نے اس سے کی ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ (ان کے اوصاف یہ ہیں کہ) وہ توبہ کرنے والے ہیں، (اللہ کی) بندگی کرنے والے، حمد کرنے والے، (لذّاتِ دنیوی سے) کنارہ کشی کرنے والے، (اللہ کی بارگاہ میں) رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی) خوشخبری سنا دیں اہلِ ایمان کو۔"

اِن آیات کا آغاز ہوتا ہے کہ اللہ نے تو اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ یعنی جو بھی باشعور صاحبِ ایمان ہے وہ گویا اللہ کے ساتھ ایک بیع و شراء کر چکا، اپنی جان اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکا ـــــ لہٰذا اسی کا مظہر یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ سرفروشی اور جاں فشانی کے پیکر تھے۔ جب بھی انہیں پکارا گیا جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کریں اور تمنا یہ رکھیں کہ اس راہ میں جان تک قربان کر دیں گے جیسے حضورؐ نے فرمایا: لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ اُحْيَا، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْيَا،

ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْيَا، ثُمَّ اُقْتَلُ[1]" یعنی میری بڑی خواہش اور آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے۔ تو اللہ کرے کہ یہ خواہش ہمارے دلوں میں بھی آجائے۔ لیکن اس خواہش کے ساتھ ساتھ کچھ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا ہوں گے۔ وہ اوصاف کیا ہیں:

التائبون۔ العابدون۔ الحامدون۔ السائحون۔ الراکعون۔ الساجدون۔ الاٰمرون بالمعروف۔ والناھون عن المنکر۔ والحافظون لحدود اللہ۔ یعنی

(۱) توبہ کرنے والے، رجوع کرنے والے۔ خطا یا غلطی ہو جاتے تو فوراً توبہ کریں۔ (۲) اللہ کے عبادت گزار۔ اس کے اطاعت شعار، اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لینے والے۔ (۳) اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہنے والے۔ (۴) لذّاتِ دنیوی سے کنارہ کشی کر لینے والے۔ (۵) اللہ کی جناب میں رکوع کرنے والے۔ (۶) اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے۔ (۷) نیکی کا حکم دینے والے (۸) اور بدی سے روکنے والے۔ (۹) اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور آخر میں فرمایا گیا کہ اے نبی، ایسے اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجئے جنہوں نے اپنی جانیں اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے اور اس کے بعد ان کی زندگی کے شب و روز کا نقشہ اوپر بیان کردہ آیت کے مطابق ہے۔ انہیں ان کی کامیابی کی خوشخبری سنا دیجئے!!

یہ مقام اس اعتبار سے ذروۂ سنام ہے کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی اگلا قدم بیان کر دیا گیا: اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ۔ حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے۔ اور موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کے لیے 'اقدام' کا مرحلہ یہی ہوگا۔ سنّتِ نبوی، سیرتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ہمیں انقلاب کے چھ مراحل ملتے ہیں —— (۱) دعوت (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) (۵) اقدام (ACTIVE RESISTANCE) اور (۶) مسلح تصادم۔ موجودہ حالات میں "مسلح تصادم" کے بجائے "اقدام" کا طریقہ یہ ہوگا کہ انقلاب کے کارکن میدان میں نکل کھڑے ہوں کہ ہم اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے۔ یہ نہی عن المنکر

---

[1] رواہ البخاری، عن ابی ہریرۃؓ۔

بالید کا ایک انداز ہے۔ وہ طاقت کے ساتھ چیلنج کر دیں اور منکرات کے مقابلے میں دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں کہ اب ہم جیتے جی یہ نہیں ہونے دیں گے! اب یہ ہماری لاشوں پر ہی ہو گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی فوج جس پر آپ کے بجٹ کا بہت بڑا حصہ صرف ہوتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ کہ وطنِ عزیز کی سرحدوں کے محافظ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ جان دے دیں لیکن اس سرزمین کا ایک انچ بھی دشمن کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ ابھی تقریباً بیس کروڑ روپیہ "ضربِ مومن" پر اسی لیے تو خرچ ہوا ہے کہ ہماری افواج چاق و چوبند رہیں اور ہر طرح کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہوں، کہیں وقت آنے پر سست پڑے ہوئے نہ ہوں۔ یہ سب کس لیے ہے؟ حدودِ ارضی کی حفاظت کے لیے، وطن کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کے لیے! لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ اس ملک کی نظریاتی حدود بھی ہیں۔ وہ نظریاتی حدود "حدود اللہ" ہیں، جن کی ہمیں حفاظت کرنی ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ــــ 'دیکھو، یہ اللہ کی حدود ہیں، ان کے قریب بھی نہ پھٹکو'۔ کہیں یوں فرمایا گیا: .... فَلَا تَعْتَدُوْهَا ــــ 'یہ اللہ کی حدود ہیں، انہیں پامال نہ کرو، ان سے تجاوز نہ کرو'۔ اب اللہ کا وہ سرفروش بندہ جو جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہو اس کے اوصاف کی چوٹی درحقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی حدود کا محافظ بن کر کھڑا ہو جائے کہ میرے جیتے جی اللہ کی یہ حد پامال نہیں کی جائے گی۔ میں زندہ رہوں اور اللہ کی حدود پامال کر دی جائیں، یہ نہیں ہو گا! اس موقع پر مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یاد آ گئے ہیں۔ انہوں نے یہی فرمایا تھا: اَيُبَدَّلُ الدِّيْنُ وَاَنَا حَيٌّ؟ "کیا دین کے اندر تغیر کر دیا جائے گا، جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟" آپؓ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کچھ حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ آپ یہ اتنے سارے محاذ ایک دم نہ کھول لیجئے۔ ایک طرف مدعیانِ نبوت ہیں۔ وہ تو کھلم کھلا مرتد ہیں۔ ٹھیک ہے ان کے خلاف تو اقدام کیجئے لیکن یہ مانعینِ زکوٰۃ تو کلمہ گو ہیں، انہوں نے کسی نئے نبی کو بھی تسلیم نہیں کیا ہے، آپ ان کے خلاف

اس معاملے کی تفصیل اِس کتابچے کے حصۂ اوّل یعنی "مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے آخر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

محاذ نہ کھولیے، اس لیے کہ اس وقت حالات بڑے مخدوش ہیں ——— تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے: اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ "کیا دین کے اندر تبدیلی کر دی جائے گی، اس حال میں کہ میں زندہ ہوں" آپؓ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق یونہی تو نہیں بن گئے تھے۔ یہ رتبۂ بلند یونہی تو نہیں مل گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو مشورہ دیا تھا کہ اس وقت حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ ایک طرف جیشِ اسامہؓ کو بھی نہیں روک رہے، سلطنتِ روم کے ساتھ ٹکراؤ اس دلیل پر جاری رکھ رہے ہیں کہ حضورؐ نے جو جھنڈا باندھ دیا تھا میں اسے کیسے کھول دوں، حضورؐ نے جو لشکر تیار کر دیا تھا اب اسے کیسے روک دیا جائے! اگر یہ تمام محاذ بیک وقت کھول دیئے گئے تو یہاں مدینہ منورہ میں محافظ کون ہوں گے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ اگر کوئی محافظ نہ ہو اور درندے آکر ابوبکرؓ کو نوچیں تب بھی یہ کام ہو کر رہے گا۔ اس لیے کہ میں اللہ کے رسولؐ کا خلیفہ ہوں۔ میرا مقصدِ زندگی ان کے مشن کی تکمیل ہے۔ یہ ہے حفاظتِ حدود اللہ! تو یہ جو یہاں نو اوصاف بیان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے ایک ایک وصف اپنے اندر جذب کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

میری اس گفتگو میں اگرچہ کئی دوسرے مضامین بھی ضمنی طور پر آ گئے، لیکن اس سے میرا مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ناقابلِ تقسیم (INSEPERABLE) ہیں۔ قرآن مجید اگر نو مقامات پر انہیں متوازن (BALANCED) طریقے سے اجزائے لاینفک کی حیثیت سے بیان کر رہا ہے تو ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں سے کسی ایک کو غیر ضروری یا اضافی قرار دے۔ اس سلسلے میں غلط فہمی رفع ہونی چاہیے۔ یہ مغالطہ جنہیں بھی ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اس مغالطے پر متنبہ اور مطلع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رَبّ، اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رَبّ، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رَبّ، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

الہدیٰ قسط ۶۴
مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس نمبر ۲

جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ

شہادت علی النّاس

سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۱)

طالب و مطلوب کی نسبت کے حوالے سے

فلسفۂ دین کی ایک اہم بحث

حقیقتِ جہاد سے متعلق بعض بنیادی باتوں کی وضاحت پچھلے سبق میں ہو چکی ہے۔ اب ہمیں مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے چوتھے حصّے کے پہلے باقاعدہ درس کا آغاز کرنا ہے جو سورۃ الحج کے آخری رکوع پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ہمارے اس منتخب نصاب کے اس مرحلے پر جو مضمون زیرِ بحث ہے اس سے اصلاً اس رکوع کی صرف آخری آیت ہی متعلق ہے۔ لیکن یہ پورا رکوع جو چھ آیات پر مشتمل ہے قرآن مجید کے انتہائی جامع مقامات میں سے ہے۔ اور اس مرحلے پر کوشش یہ ہوگی کہ اختصار کے ساتھ اس پورے رکوع کے مفہوم کو کسی درجے میں بیان کر دیا جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہمارے اس منتخب نصاب میں اب تک جتنے مضامین آئے ہیں ان کا ایک مختلف انداز اور اسلوب میں اجمالی اعادہ ہو جائے گا۔

دو تمہیدی باتیں

اس سے پہلے کہ اس رکوع کی آیات کی تلاوت کی جائے، دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ ان کا مستحضر رکھنا قرآن حکیم سے ایک ذہنی مناسبت پیدا کرنے کے لئے بہت مفید ہوگا۔ ایک بات تو اجمالاً پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی اکثر سورتوں کی ابتدائی اور اختتامی آیات نہایت جامع ہوتی ہیں۔ یہ ویسے بھی ایک عام قاعدہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ کسی غزل کا مطلع اور مقطع خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ قصیدے کا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی خطبے کا اگر آغاز ایسا ہو کہ خطیب اپنے سامعین کی توجہ کو جذب کرلے اور اختتام ایسا ہو کہ وہ اپنے سامعین پر کوئی دائمی تأثر چھوڑ جائے تو وہ خطبہ کامیاب ہوگا۔ قرآن مجید اصلاً خطبے کے اسلوب پر نازل ہوا ہے اور اس کی اکثر سورتوں کی حیثیت خطبوں کی سی ہے۔ چنانچہ ان کے آغاز میں آنے والی آیات اور جن آیات پر ان سورتوں کا اختتام ہوتا ہے، بالعموم بہت جامع، بہت مؤثر اور توجہ کو جذب کر لینے والی ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے ہم سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی چند آیات پڑھ چکے ہیں۔ اُن آیات کے حوالے سے بھی یہ حقیقت سامنے آئی تھی، لیکن سورۃ الحج کے اس آخری رکوع کے حوالے سے یہ حقیقت مزید مبرہن ہو جائے گی۔ اس رکوع کی چھ آیات میں جامعیت کا جو عالم ہے اس کا آپ اندازہ اس سے کیجئے کہ پہلی چار آیات میں خطاب "یَا اَیُّھَا النَّاس" (اے لوگو) سے ہے۔ اور ان میں گویا کہ قرآن مجید کی وہ دعوتِ عام ہے جو وہ ہر فردِ نوعِ بشر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان آیات میں اُن اصولوں کا خلاصہ آگیا ہے جن کو ماننے کی وہ دعوت دیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ وہی اصولِ ثلاثہ ہیں: توحید، معاد، رسالت۔ اسلام کا پورا قصر انہی تین بنیادوں پر استوار ہوا ہے۔ لہٰذا پہلی چار آیات میں "یَا اَیُّھَا النَّاس" سے خطاب کا آغاز کر کے اُن تینوں باتوں کا ایک ایسا جامع ملخص پیش کر دیا گیا ہے کہ واقعۃً قرآن مجید کے اعجاز کے سامنے گردنیں جھک جاتی ہیں۔

اس کے بعد کی دو آیات میں خطاب ہے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا" کے الفاظ سے۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے جنھوں نے ان باتوں کو مان لیا۔

اب اگلی دعوت جو ہے وہ دعوتِ عمل ہے۔ گویا کہ پہلی چار آیات میں دعوتِ ایمان دی گئی اور اب ماننے والوں پر جو فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اُن کے جو تقاضے ہیں انہیں بیان کر دیا گیا۔ اور بڑی منطقی بات ہے کہ جنھوں نے مانا ہی نہیں، اُن سے کسی عمل کا مطالبہ نہیں ہے۔ ان کے سامنے کسی عملی تقاضے کا پیش کیا جانا بے معنی ہے۔ جنھوں نے خدا کو، یا رسول کو، یا آخرت کو نہیں مانا، اب اُن سے کیا کہا جائے کہ نماز پڑھو یا دین کے لیے محنت اور جدّوجہد کرو۔ یہ سارے تقاضے دعوتِ عمل کے ہیں۔ یہاں ان کو دو آیات میں سمو لیا گیا۔ اس پہلو سے جب آپ اس پر مزید غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت مزید واضح ہو کر سامنے آئے گی کہ یہ مقام اس اعتبار سے قرآن مجید کا جامع ترین مقام ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگرچہ یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اصل معجزہ قرآن مجید ہے۔ اور 'وجوہِ اعجاز القرآن' پر بھی بہت بڑی بڑی مخنتیں ہوئی ہیں، اس موضوع پر بڑی ضخیم تصانیف موجود ہیں۔ اور میرے نزدیک اعجازِ قرآن کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وجوہِ اعجاز قرآن کا احاطہ بھی ناممکن ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا احاطہ کیا جائے کہ قرآن کن کن اعتبارات سے معجزہ ہے۔ لیکن یہاں ایک خاص پہلو کی طرف توجّہ دلانی مقصود ہے۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل نازل ہوئی۔ اس کے اوّلین مخاطب ایک خاص قوم کے افراد اور ایک خاص معاشرہ میں بسنے والے لوگ تھے۔ ان کے کچھ نظریات و عقائد تھے، کچھ مذہبی رسوم تھیں، اپنے خاص حالات اور معاملات تھے۔ قرآن حکیم کی گفتگو کے پس منظر میں حالات کے اس تانے بانے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اگر قرآن اُن سے صرف اصولی باتیں کہتا اور بڑے منطقیانہ اور فلسفیانہ انداز میں اونچی اونچی عقلی باتیں ان کے سامنے رکھتا تو شاید وہ انہیں اپنے سے اتنی زیادہ متعلق معلوم نہ ہوتیں۔ قرآن جس پس منظر میں اور جن ظروف و احوال میں نازل ہوا ہے اس کا عکس قرآن کے اسلوب میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن انہی سے مخاطب ہے، ساری بات انہی سے ہو رہی ہے۔ اُسی ماحول اور ENVIRONMENT

سے اپنی گفتگو اور تمام دلائل کے لیے بنیاد فراہم کی جا رہی ہے۔ لیکن دوسری طرف یہی کتاب ایک ابدی ہدایت نامہ ہے۔ چنانچہ بڑے سے بڑے فلسفی، بڑے سے بڑے سائنسدان اور بڑے سے بڑے حکیم و دانا انسان کی علمی تشفّی، اس کی علمی پیاس کی سیری اور اس کی عقل اور ذہن و فکر کی رہنمائی تا قیامِ قیامت اسی کتاب کو کرنی ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ یہ کس قدر کٹھن مسئلہ ہے۔ چودہ سو برس پہلے کے زمانے میں نازل ہونے والی ایک کتاب جو ایک[1] طرف ایک ان پڑھ قوم کو اپنے مخاطبینِ اوّل کی حیثیت سے اس طرح خطاب کرتی ہے کہ وہ قوم بھی یہ محسوس نہ کرے کہ اس کی کوئی بات ہمارے سروں کے اوپر ہی سے گزرتی چلی جا رہی ہے اور ہم سے متعلق نہیں ہے، دوسری[2] طرف چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی کے کسی نابغہ فرد کو، کسی علّامہ اقبال کو اس درجہ POSSESS کرتی ہے کہ وہ پکار اٹھتا ہے کہ مجھے اگر کہیں کوئی تشفّی میسّر آئی ہے، میری علمی پیاس کے لیے اگر کہیں کوئی تسکین کا سامان میسر آیا ہے تو صرف قرآن مجید میں! یہ قرآن کا عظیم اعجاز ہے کہ وہ بات کرتا ہے تو اس انداز میں کہ جو قوم اس کی اوّلین مخاطب تھی گویا اسی سے بات ہو رہی ہے، لیکن اُسی کے بین السّطور میں اس طرح کی چیزیں موجود ہیں جو بڑے سے بڑے فلسفی اور بڑے سے بڑے فہیم و دانا انسان کی عقلی اور فکری رہنمائی کے لیے اپنے اندر پورا سامان لیے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے اس رکوع کے بعض پہلوؤں کی طرف بعد میں توجّہ دلائی جائے گی۔

نوعِ انسانی کے لیے ایمان کی دعوت

اس تمہید کے بعد آب آئیے کہ پہلے اس کی ابتدائی چار آیات جن کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دعوتِ ایمان پر مشتمل ہیں، پر غور کریں۔ فرمایا:۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ
وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ (الحج: ۷۳ تا ۷۶)

ان آیاتِ مبارکہ کا ایک رواں ترجمہ یہ ہوگا :-

" اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اُسے توجّہ سے سنو! یقیناً وہ ہستیاں کہ جنھیں تم پکارتے ہو اللہ کے سوا اس پر قادر نہیں ہیں کہ کسی مکھی تک کو تخلیق کرسکیں، خواہ وہ اس کے لئے مِل جُل کر کوشش کریں۔ اور اگر کوئی مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ تو اس سے اس کو واپس لینے پر بھی قادر نہیں۔ کتنا ضعیف، کتنا لاچار ہے وہ جو طالب ہے، جو چاہ رہا ہے اور کتنا کمزور اور بے بس ہے وہ جسے چاہا جا رہا ہے، جو مطلوب ہے۔ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسے کہ اس کی قدر کا حق تھا۔ یقیناً اللہ قوی ہے، زبردست ہے۔ اللہ چُن لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔ اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ کہ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لَوٹا دیئے جائیں گے۔"

یہ ہیں وہ چار آیات جن میں سے پہلی دو آیات میں توحید اور اس کے مقابل کی گمراہی یعنی شرک کا بیان ہے۔ احقاقِ توحید اور ابطالِ شرک کے بعد ایک آیت میں نبوت و رسالت سے متعلق ایک نہایت اہم بحث وارد ہوئی ہے اور آخری آیت معاد سے متعلق ہے یعنی جزا و سزائے آخرت۔ اب یہاں دیکھئے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو بت پرست ہیں۔ اصنام پرستی اُن کا دین و مذہب ہے۔ پتھر کی مورتیوں کے سامنے چڑھاوے چڑھا رہے ہیں، سجدے کر رہے ہیں، گڑگڑا گڑگڑا کر ان سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ ان کو مخاطب کرکے کہا گیا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ " اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔" یہ وہی لفظ ہے جو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہمارے ہاں 'ضرب المثل' کے نام سے مستعمل ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ " تو اُسے توجّہ سے سنو" سَمِعَ یَسْمَعُ کے معنی ہوتے ہیں

سننا اور اِسْتَمَعَ یَسْتَمِعُ کے معنیٰ ہوں گے توجہ سے سننا، کان لگا کر سننا، دھیان سے سننا۔ چنانچہ یہی لفظ آیا ہے سورۃ الاعراف کی اس آیت میں: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ یعنی جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ اُسے سنو اور خاموش رہو۔ تو یہاں فرمایا: ذرا توجہ سے سنو، ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس عمل کی جو تم کر رہے ہو۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "بے شک یہ جنہیں تم پکار رہے ہو اللہ کو چھوڑ کر" جن سے دعائیں کر رہے ہو، جن کے سامنے نذریں پیش کر رہے ہو، جن کے لئے چڑھاوے چڑھا رہے ہو۔ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ "یہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں کہ ایک مکھی تک کی تخلیق کر سکیں اگرچہ یہ سب جمع ہو جائیں۔" وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ۔ "اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ وہ چیز اس سے چھڑا نہیں سکتے۔" یعنی تخلیق تو کیا کریں گے، اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے، ان حلووں مانڈوں پر اور ان چڑھاووں پر کہ جو تم نے ان کے سامنے رکھے ہیں اگر مکھیاں بھنبھنانے لگیں تو یہ اُن کو اڑانے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ "کمزور ہے چاہنے والا اور جسے چاہا جاتا ہے" یعنی کیا ہی ضعیف و لاچار اور بے بس ہے وہ جسے چاہا جا رہا ہے، جو مطلوب ہے۔ اور اسی سے اندازہ کرو کہ کتنا لاچار اور بے بس ہے وہ جو اسے چاہ رہا ہے، جو ایسے مطلوب کا طالب بنا ہے۔

معبودانِ باطل کی بے بسی

اب پہلے ذرا اس پر توجہ کیجئے کہ اس مثال سے اگرچہ بظاہر ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ جتنے اہتمام کے ساتھ بات شروع کی گئی تھی کوئی ویسی بڑی بات تو سامنے نہیں آئی۔ یہ تو آنکھوں کے سامنے کی بات تھی۔ وہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت جو ہیں یہ ہاتھ نہیں ہلا سکتے۔ یہ بُت مکھیوں کو اڑانے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ پھر ادھر توجہ دلانا چہ معنی دارد۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اصنام پرستی یا بُت پرستی کو ایک فلسفہ بنا کر پیش کیا ہے، اُن کے نظریات کا معاملہ کچھ اور ہے، لیکن عوام الناس میں جو بات ذہن میں بیٹھ جاتی ہے وہ یہی ہے کہ یہی ہیں

ہمارے معبود، یہی ہیں ہماری دعاؤں کے سننے والے، اور یہی ہیں ہماری مشکل کشائی اور حاجت روائی پر قادر۔ یہ مثال عوام کے اس خیال کو توڑنے کے لئے دی گئی ہے۔ اسی غرض کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک عملی تدبیر اختیار کی تھی کہ تبکدے میں گھس کر تمام بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ایک بڑے بت کے کاندھے پر وہ تیشہ لٹکا دیا کہ جس سے ان تمام چھوٹے بتوں کو توڑا تھا۔ جب لوگوں کو خبر ہوئی تو ایک زلزلہ آگیا، ایک طوفان برپا ہوگیا کہ کس نے کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ؟ اور جب یہ کہا گیا کہ ہاں ایک سرپھرا نوجوان ہے، ابراہیم، وہ ان کی توہین کیا کرتا ہے، ان کے بارے میں کچھ ایسی ویسی باتیں کرتا رہتا ہے تو انہیں پکڑ کر لایا گیا۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا یہ تم نے کیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس سے پوچھو جس کے کاندھے پر تیشہ موجود ہے، اس نے کیا ہوگا۔ واقعاتی شہادت (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) تو اسی کے خلاف جاتی تھی۔ جب انہوں نے کہا کہ تم جانتے ہو وہ نہ بول سکتے ہیں، نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ چوٹ لگائی: اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ "لف ہے تم پر اور ان پر کہ جنھیں تم پوجتے ہو"۔ جن کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ ہاتھ نہیں ہلا سکتے، کچھ سنتے نہیں، کچھ بولتے نہیں، انہیں پوج رہے ہو! ان لوگوا، کی نگاہوں کے سامنے سے ایک دم پردہ سا ہٹا قرآن مجید ان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچ رہا ہے:

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ــــ

انہوں نے اپنے گریبانوں میں جھانکا۔ یہ حقیقت ایک لحظہ کے لئے ان کے سامنے منکشف ہوئی کہ سچ بات وہی ہے جو ابراہیمؑ نے کہی، ہم ہی مغالطے میں ہیں۔ ہم کس گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن پھر انہوں نے اپنی اُس قومی حمیّت اُس عصبیتِ جاہلیہ کو مجتمع کیا اور اپنی پوری قوتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے خلاف بروئے کار لے آئے۔ یہاں بھی اسی طرح کا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ ذرا سوچو، غور کرو، یہ ہاتھ ہلانے پر قادر نہیں، یہ سب مِل جُل کر بھی چاہیں تو ایک مکھی تک تخلیق نہیں کر سکتے۔ ان کو پوج رہے ہو۔ ان سے مرادیں مانگ رہے ہو۔ ان کے سامنے گڑگڑا رہے ہو۔

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

یہ تو ہوا اُس شرک کا ابطال جو اُس وقت اس معاشرے میں بالفعل موجود تھا۔ اب جو ٹکڑا آیا ہے " ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ " واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت قرآنی کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تین الفاظ کی ترکیب سے قرآن مجید نے نوعِ انسانی کے لیے ایک بہت بڑی بنیادی رہنمائی فراہم کر دی ہے۔ غور کیجئے کہ وہ ہدایت و رہنمائی کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند باتیں نمبروار اپنے ذہن میں رکھنا مفید رہے گا۔

سب سے پہلی بات یہ کہ درحقیقت انسان کہلانے کا مستحق وہی انسان ہے جس کا کوئی نہ کوئی ہدف، کوئی نہ کوئی نصب العین، کوئی نہ کوئی آدرش، کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہے۔ اگر انسان بغیر کسی مقصد اور نصب العین کے زندگی بسر کر رہا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ وہ انسان نما حیوان ہے اور حیوانی سطح پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ حیوان کا کوئی مقصدِ زندگی نہیں۔ زندگی برائے زندگی کا نظریہ انسان کے لئے نہیں۔ یہ صورت بالفعل حیوانات کے لئے ہے۔ وہ اپنے حیوانی داعیات کے تحت زندہ ہیں۔ انسان ان سے مقصد برآری کرتا ہے، انہیں اپنے کام میں لاتا ہے، لیکن ان کا اپنا کوئی مقصدِ حیات نہیں۔ انسانوں میں سے بھی جو اس سطح پر زندگی بسر کر رہے ہوں وہ قرآن مجید کے الفاظ میں: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ " وہ چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے "۔ انسان وہی قرار پائے گا جس کا کوئی مقصد اور نصب العین معیّن ہو، جس کے لئے وہ محنت اور جدّ وجہد کر رہا ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ ایک قاعدہ کلّیہ ہے کہ اگر مقصد اور نصب العین اعلیٰ ہے تو اس کے لیے جدّ وجہد کر کے انسان خود بھی ایک بلند تر اور اعلیٰ تر شخصیت کی تعمیر کر سکے گا۔ کسی رفیع الشان اور بلند نصب العین کے لیے جدّ وجہد کر کے اسے خود بھی ترقع حاصل ہو گا لیکن اگر مقصد پست ہے، آئیڈیل پست ہے تو انسان خود بھی پستی کا مکین رہے گا۔ اس کی اپنی شخصیت بھی پستی ہی کی جانب مائل رہے گی۔ اس کی اپنی سیرت و کردار کی کسی اعلیٰ سطح پر تعمیر ممکن نہ ہو گی۔ یہ بالکل اس طرح ہے کہ جیسے کسی اونچی فصیل پر چڑھنے کے لیے آپ کو ایک

کمند دے دی جائے تو آپ کو پہلے وہ کمند پھینکنا ہوگی۔ اس کمند کے پھینکنے کا دارومدار آپ کی قوتِ بازو پر ہے۔ آپ اسے جتنا اونچا پھینک سکیں گے اتنا ہی اونچا پھر آپ چڑھ بھی سکیں گے۔ اگرچہ پھر بھی چڑھنا آپ کو اپنی محنت سے ہوگا، لیکن اس کمند کو اونچا پھینک کر آپ نے اپنے اونچا چڑھنے کا امکان پیدا کر لیا۔ اور اگر کمند ہی کہیں نیچے اٹک کر رہ گئی تو ظاہر ہے کہ آپ اگر اس پر چڑھیں گے بھی تو صرف اتنی ہی بلندی تک پہنچ سکیں گے جہاں تک کہ وہ کمند جا سکی۔ چنانچہ اگر آپ کا آدرش، آپ کا نصب العین ارفع و بلند ہے تو آپ خود بھی رفعت اور بلندی تک رسائی حاصل کر سکیں گے اور اگر آدرش اور نصب العین ہی پست ہے تو اس سے ایک پست شخصیت اور پست سیرت و کردار ہی وجود میں آئے گا۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص نے صرف اپنی ذات ہی کو اپنا مقصود بنا لیا ہے، بقول جگر مرادآبادی ؎ "اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!" وہ اپنی ہی حریم ذات کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ یہ شخص انتہائی خود غرض اور کٹھور دل ہوگا۔ اس شخص کے اندر سے تمام محاسن اخلاق نکلتے چلے جائیں گے۔ اس سے بلند تر نصب العین ہوگا اُس شخص کا جو اپنی قوم کو یا اپنے وطن کو اپنا آئیڈیل بنائے، اس کے لئے محنتیں کرے اس کے لئے جدّوجہد کرے۔ ظاہر بات ہے کہ اس نسبتاً بلند تر نصب العین کے لئے جدّوجہد کرنے والا شخص بھی نسبتاً ایک بہتر شخصیت کا مالک ہوگا۔ اُس میں اپنی قوم کے لئے ایثار اور قربانی کا مادہ ہوگا۔ وہ اپنی قوم کو اپنی ذات سے مقدّم رکھے گا۔ اس کے سینے میں ایک وسعت ہوگی اور اس کی سوچ کے اندر بھی ایک وسعت پیدا ہو جائے گی۔ یہ ایک بلند تر شخصیت ہے جو اس پہلے نصب العین یعنی صرف اپنی ذات یا شخص پرستی یا خود پرستی کے مقابلے میں قوم پرستی یا وطن پرستی کے نصب العین سے وجود میں آئے گی۔ اس سے بلند تر نصب العین انسان دوستی کا نصب العین ہے۔ یعنی قوم و وطن کے امتیاز کے بغیر انسان کی خدمت، انسان سے محبّت۔ یہ یقیناً پہلے دو سے اعلیٰ تر اور بلند تر نصب العین ہے۔ اس کی بنا پر ایک اعلیٰ تر اور عمدہ تر شخصیت وجود میں آئے گی۔

یزداں بکمند آور . . . . .

لیکن تمام آدرش ، تمام نصب العینوں اور تمام آئیڈیلز میں بلند ترین نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ اس کو علامہ اقبالؔ کہتے ہیں ؎ " منزل ما کبریاست " میری منزلِ مقصود اللہ کی ذات سے کم کہیں نہیں ہے۔ اسی کو علامہ نے تشبیہہ کے انداز میں وہی لفظ کمند استعمال کر کے یوں کہا ہے ؎ " یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ! " انسان کے نصب العین اور ہدف ہونے کا مقام و مرتبہ سوائے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ وہی انسان کا مقصود ہو، وہی مطلوب ہو، وہی محبوب ہو۔ اب یہ بلند ترین نصب العین، بلند ترین آئیڈیل، بلند ترین آدرش اختیار کرنے کے نتیجے میں ایک اعلیٰ ترین شخصیت وجود میں آئے گی۔ جس کا آدرش خدا پرستی ہو، جس کا نصب العین رضائے الٰہی ہو ، جس کا مطلوب و محبوب خود اللہ ہو اس کی اپنی شخصیت تمام و کمال کیا ہو گی۔ اس کے لئے آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا نقشہ ذہن میں لائیے۔ اس نصب العین سے سینہ اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ اللہ کی کل مخلوق کے لئے جس کے اندر وسعت اور گنجائش ہو، نہ صرف انسان بلکہ حیوانات تک کے لئے شفقت و محبت ہو۔ رَحمۃٌ لِّلعَالَمِینَ ہونے کی کیفیت درحقیقت اُس شخص ہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو صحیح معنیٰ میں خدا کا پرستار ہو، جس نے خدا کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہو، خدا ہی اس کا مطلوب و محبوب ہو گیا ہو۔ وہ الفاظ یاد کیجئے کہ جو آنحضورؐ کی زبانِ مبارک پر اس دنیا سے رحلت کے وقت بار بار آئے : " اللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیقِ الاعلیٰ " یعنی بس ایک اللہ ہی مطلوب و مقصود ہے اور اب اُسی کی طرف مراجعت کے لیے طبیعت بے چین ہے۔ مطلوب کمزور اور ضعیف ہے تو طالب بھی کمزور اور ضعیف ہو گا۔ مطلوب کا مقام و مرتبہ اعلیٰ اور بلند ہو تو اس کے طالب کو بھی ترفع حاصل ہوتا چلا جائے گا۔

شرک : اللہ کی قدر کے فقدان کا نتیجہ

فرمایا : مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔" انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسے کہ

اس کی قدر کا حق تھا۔" ایک عجیب نقشہ کھینچا گیا ہے کہ انسان کی یہ کمند ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اُلجھ کر کیوں رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ انسان خدا کے جمال و جلال کا کوئی اندازہ نہ کر پایا جیسا کہ اُسے کرنا چاہیئے تھا۔ اگر وہ اللہ کے حسن و جمال کی کوئی جھلک دیکھ پاتا، اس کے مرتبۂ کمال کا کہیں کسی انداز میں عشرِ عشیر ہی کوئی تصوّر کر پاتا تو یہ دنیا و مافیہا اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئی ہوتی۔ وہ نہ صرف یہ کہ اُن میں سے کسی کو اپنا مقصود اور آئیڈیل نہ بناتا بلکہ واقعتہً اس کا مطلوب حقیقی، اس کا مقصودِ اصلی صرف ذاتِ باری تعالیٰ بن جاتی۔ یہ اگر ہوا ہے تو اس لئے ہوا ہے کہ انسان کی نگاہیں دنیا میں اُلجھی ہوئی ہیں۔ علامہ اقبال نے جو مکالمہ لکھا ہے عقاب اور چیونٹی کے درمیان اور اس میں عقاب سے یہ کہلوایا ہے کہ ؎

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں!
میں نہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

اس کے مصداق انسان کی توجّہات پستی کی طرف ہیں۔ انسان جو پستی کا مکین ہے اس نے اِن پست اشیاء ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لیا ہے۔ وہ اس لئے کہ وہ خدا کے جلال و جمال، اس کے کمال، اُس کے حُسن کا کوئی تصوّر نہ کر سکا۔ اس نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اللہ بذاتہٖ قوی ہے، اللہ بذاتہٖ عزیز ہے۔ وہ القوی ہے اور العزیز ہے۔ اصل میں اشارہ کیا جا رہا ہے کہ شرک جب بھی ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے فقدان یا اس کی کمی کے باعث ہوگا۔ اگر اللہ کو پہچان لیا جائے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے تو شرک کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کون ہے جو گھٹیا کو اعلیٰ کے مقابلے میں قبول کرے گا۔ چونکہ وہ اعلیٰ اس کے سامنے آیا نہیں، اس کا وہ کوئی تصوّر کر نہیں پایا، اُس کی کوئی جھلک اُس نے دیکھی نہیں ہے، اس لئے وہ عاشق بنا پھرتا ہے اس ادنیٰ کا۔ اگر کہیں اُس کی کوئی جھلک اس نے دیکھ لی ہوتی تو یہ دنیا و مافیہا اس کے لیے ہیچ ہو جاتی۔

اب آپ ذرا اس کا تجزیہ کیجیے۔ جاہلیتِ قدیمہ کا شرک یہ تھا کہ خدا کے تصوّر اور خدا کی معرفت کی کمی کی وجہ سے انسان نے خدا کو اپنے ذہن کے پیمانوں سے ناپا۔ اس نے سمجھا کہ خدا ایک بڑا بادشاہ ہے، تو بادشاہ کے لئے بھی تو شہزادے شہزادیاں ہونے چاہئیں۔

بادشاہ کو بھی تو اولاد کی طلب ہوتی ہے کہ کوئی اس کا وارث ہو۔ لہٰذا اس کے لیے بیٹے یا بیٹیاں تجویز کر دیئے گئے۔ پھر یہ کہ بڑے سے بڑے بادشاہ کے بھی آخر کچھ اعیانِ مملکت ہوتے ہیں، نائبینِ سلطنت ہوتے ہیں۔ اس کی حکومت کا تخت انہی کے بل پر قائم ہوتا ہے، لہٰذا اللہ کے لیے بھی انہوں نے کچھ نائبینِ سلطنت تجویز کر لیے اور ان کو بھی کچھ اختیارات دے دیئے گئے کہ یہ فلاں کا دیوتا ہے اور یہ فلاں کی دیوی ہے۔ یہ آگ کا دیوتا ہے، یہ پانی کا دیوتا ہے، اور یہ دولت کی دیوی ہے۔ اس طریقے سے خدائی اختیارات کی تقسیم کر دی گئی یا یہ کہ بڑے سے بڑے انسان اور بڑے سے بڑے بادشاہ کے بھی کچھ ایسے مقربینِ بارگاہ اور مصاحبینِ خاص ہوتے ہیں جن کی بات وہ ٹالا نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ کے بھی کچھ ایسے دوست ہیں کہ ان کی بات وہ نہیں ٹال سکتا۔ اگر وہ سفارش کر دیں تو بس بیڑا پار ہو جائے گا۔ یہ تصورات ہیں جو انسان نے خدا کو خود اپنے پیمانوں پر ناپ کر قائم کئے ہے

می تراشد فکرِ ہر دم خداوندِ دگر
رُست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

وہ جو ایک مکالمہ علامہ اقبال نے اک بت تراش اور اس کے تراشے ہوئے بُت کے مابین پیش کیا ہے، اس میں بُت یہ کہتا ہے کہ تُو تو مجھے خدا بنانے چلا تھا۔ اور بنایا کیا ہے؟ اپنے دو ہاتھ دیکھے تو میرے بھی دو ہاتھ بنا دیئے۔ تو نے مجھے اپنی ہی صورت پر اپنی ہی شکل پر ڈھال دیا ہے ہے

مرا بر صورتِ خویش آفریدی!
بروں خویش تن آخر چہ دیدی؟

تو نے اپنے سے باہر بھی کچھ دیکھا؟ تیرے سامنے تو اپنا ہی وجود ہے۔ تو خدا کو جب انسان اپنے ان پیمانوں پر اور اپنے وجود کے مطابق ڈھال کر دیکھتا ہے تو اس کے نتیجے میں شرک کا ایک انبار اور طومار وجود میں آجاتا ہے۔

اس وقت کا شرک بھی درحقیقت خدا کی معرفت کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ خدا پرستی کی بجائے وطن پرستی، قوم پرستی، خود پرستی، مفاد پرستی ـــــ یہ ساری چیزیں کیوں ہیں

(باقی صفحہ ۵۰)

خطابِ جمعہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا حق نواز جھنگوی کی المناک شہادت!

صحابہ کرامؓ کے خلاف ہرزہ سرائی کا مقابلہ ان کی زندگی کا مشن تھا

امیر تنظیم اسلامی نے اپنے ۲ مارچ کے خطابِ جمعہ میں جہاں دیگر اہم ملکی و ملّی معاملات کو موضوعِ سخن بنایا وہاں خطاب کے آغاز میں مولانا حق نواز جھنگوی کی مظلومانہ شہادت پر اپنے تاثرات و احساسات میں قارئین کو بھی شریک کرتے ہوئے اس اہم قومی و ملّی سانحے کے بارے میں اپنا تجزیہ وضاحت سے پیش فرمایا۔ اس خطاب کی تلخیص ہفت روزہ 'ندا' کی ۲۰ مارچ کی اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔ خطاب کا متعلقہ حصہ ہدیۂ قارئینِ میثاق کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

حمد و ثنا کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورۃ الفتح اور سورۃ البقرہ کی حسبِ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی :

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع اور سجود میں سرگرم پاؤ گے۔ ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔ ان کی یہ تمثیل ہے تورات میں اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ گدرائی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کے دلوں کو موہتی ہوئی، تاکہ کافروں کے دل ان سے جلائے۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے مغفرت کا اور ایک اجرِ عظیم کا"

"اے اہلِ ایمان، مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور حاصل نہیں۔ بے شک ہم تمہیں آزمائیں گے کسی قدر

خوف' بھوک اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے - اور خوش خبری سنادو ان صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں - یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی عنایتیں ہیں اور رحمت' اور یہی لوگ راہ یاب ہونے والے ہیں"

پھر ایک حدیث مبارک بیان کی..... "اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں اور میرے بعد انہیں ہدف تنقید نہ بنالینا - جس کسی نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے کی اور جس کسی نے ان سے بغض و عداوت کا معاملہ کیا تو ان کو اصلاً بغض و عداوت مجھ سے ہے"

حضرات! آج مجھے کچھ شذرات پر گفتگو کرنی ہے - پندرہ دن کے بعد ملاقات ہو رہی ہے جن میں بعض ایسے حوادث اور واقعات پیش آئے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے - ان میں سرفہرست حادثہ جس کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور اس کی مناسبت سے آیات اور حدیث نبوی تلاوت کیں' وہ مولانا حق نواز جھنگوی کا قتل یا شہادت ہے - یہ بہت ہی الم ناک واقعہ ہے - اس کے الم ناک ہونے سے کوئی بھی انسان انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم - کل چھتیس (۳۶) برس کی عمر یعنی اصل شباب کے دور میں چھوٹے چھوٹے تین بچے چھوڑ کر وہ گئے ہیں - عالم دین بھی تھے اور خادم دین بھی' اس اعتبار سے ان کا قتل بہت ہی الم ناک ہے -

قتل ناحق کے بارے میں سورہ مائدہ میں آیا ہے کہ ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا جائے تو گویا پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا گیا - احترام جان کے بارے میں حضورؐ نے کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کعبہ تیری بڑی عظمت ہے لیکن ایک مسلمان کی جان کی قیمت اور قدر اللہ کی نظر میں تجھ سے بڑھ کر ہے - مگر ہمارے ہاں تو خون کی ارزانی ہے - اب تو یہ روز کی بات ہے اور اس پر ہمارے احساسات میں کوئی ارتعاش بھی پیدا نہیں ہوتا - تاہم مولانا حق نواز جھنگوی کا قتل یقیناً لرزا دینے والا ہے - اس کے الم ناک ہونے کے بارے میں اختلاف رائے ممکن نہیں لیکن یہ قتل ہوا کیوں؟ - ظاہر ہے کہ یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں - دو ہی امکانات ہیں - ایک امکان جو میرے نزدیک اتنا قوی نہیں لیکن بہرحال موجود ہے' کہ یہ تخریب کاری ہے -

اس سے پہلے میرے اور طاہر القادری صاحب کے بارے میں باتیں آئی تھیں' آئی

ایس آئی کے پاس بھی اطلاع پہنچی اور اس وقت کی فضا کی مناسبت سے وہ بات بڑی وزنی تھی کہ روس کا ناک میں دم آیا ہوا تھا اور وہ پاکستان کو Destabilize کرنا چاہتا تھا- پولیس کے ذمہ دار افراد نے کہا تھا کہ اس خبر کو Lightly نہ لیں اس لئے کہ یہ بین الاقوامی سازش کا حصہ بھی ہو سکتا ہے- اس قسم کے افراد کو قتل کرا دیا جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ مخالفین کے کھاتے میں چلا جائے گا اور پھر آپس میں فساد پھوٹ پڑے گا- اگرچہ آج کل بین الاقوامی سطح پر اس طرح کا معاملہ نظر نہیں آ رہا' اگر کچھ ہے تو وہ اندرون ملک ہے- جو تخریب کاری ہو رہی ہے جس کا ایک فریق دوسرے پر الزام لگا رہا ہے یعنی آئی جے آئی کی حکومت کا کہنا ہے کہ یہ پیپلز پارٹی کی طرف سے ہو رہی ہے اور کراچی میں بھی یہ سب پیپلز پارٹی کی کارستانی ہے- دوسری طرف چونکہ ایم کیو ایم' آئی جے آئی کے قریب آ گئی ہے لہٰذا پیپلز پارٹی والے کہہ رہے ہیں کہ یہ سب واقعات آئی جے آئی والوں کی کارروائی ہے تاکہ ۲۰ مارچ سے پہلے مارشل لاء لگ جائے- یہ الزامات ہیں ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا اور نہ عام شہری کے پاس کوئی ذریعہ ہے کہ وہ ان کی تصدیق یا تردید کر سکے- اس اعتبار سے تو اس امکان کو میں خارج از امکان قرار نہیں دیتا لیکن اس کے ضمن میں بھی یہ بات ضرور کہتا ہوں کہ بڑی تیزی سے تحقیق کر کے اس کے حقائق سامنے لائے جائیں-

ہمارے یہاں تحقیق و تفتیش میں جو تاخیر ہوتی ہے' نتائج سامنے نہیں آتے' اس کے بڑے نقصانات ہیں لیکن وہ سامنے اس لئے نہیں آتے کہ کچھ ذی اثر لوگ زد پر ہوتے ہیں اور کچھ پردہ نشینوں کے نام سامنے آتے ہیں لہٰذا معاملہ کو دبا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عدم اعتماد کی فضا اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آج ہی اخبار میں ڈپٹی کمشنر جھنگ کا بیان آیا ہے کہ چنیوٹ میں جو اندوہناک واقعہ ہوا تھا' وہ کسی سکیم کا نتیجہ نہیں تھا- لوگوں میں فوری طور پر ابال آیا تھا جس کے نتیجہ میں یہ واقعہ ہوا- تاہم اگر یہ تخریب کاری کا نتیجہ ہے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے- ایسا نہیں کہ ہماری حکومت کے پاس تحقیق کے ذرائع نہیں ہیں چنانچہ اگر کوئی مصلحت سامنے نہ ہو تو بڑی جلدی سے اس معاملہ کو نمٹایا جا سکتا ہے- اس سے جذبات ٹھنڈے پڑیں گے- ہمارے یہاں جو عدالتی نظام رائج ہے اس کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ اس میں اول تو عدل ملتا کم ہے اور اگر کچھ مل بھی جائے تو بہت دیر میں ملتا ہے

دوسرا غالب امکان یہ ہے کہ یہ فرقہ واریت کا نتیجہ ہے- اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا حق نواز جھنگوی ایک خاص مشن کو لے کر اٹھے تھے اور پورے ملک میں اس کے

حوالے سے ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے - نوجوانی کے عالم میں انہوں نے بڑی تیزی کے ساتھ پیش رفت کی تھی اور ایک خاص مسئلہ میں اہل تشیع کی مخالفت اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ہونے والی کسی بھی ہرزہ سرائی کی نفی اور اس کا مقابلہ گویا ان کی زندگی کا مشن تھا - واقعہ یہ ہے کہ پورے ملک میں انہوں نے انجمن سپاہ صحابہ کی جو تنظیمیں قائم کیں' ان کے اثرات دور دور تک ہیں - اگرچہ مرکز اس کا جھنگ ہی ہے - جھنگ کا ضلع شیعہ جاگیرداروں کی جاگیر ہے - کوئی شاذ ہی سنی وہاں زمیندار ہو گا ورنہ سب کے سب جاگیردار شیعہ ہیں اور اگرچہ وہاں کے عوام کی اکثریت سنیوں پر مشتمل ہے لیکن جاگیرداروں کی شہ پر وہاں کے شیعوں کو اتنی جرأت ہوتی ہے کہ سب سے بڑھ کر اور کھلم کھلا صحابہ کرام پر تبرّا جھنگ میں ہوتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جہاں اس طرح کا عمل ہو گا' وہاں اس کا ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید ہو گا - یہی وجہ ہے کہ جھنگ ہی سے "انجمن سپاہ صحابہ" کی تحریک اٹھی - مولانا حق نواز جھنگوی اس کو لے کر اٹھے اور انہوں نے بڑی محنت سے' بڑی مشقت سے کام کیا - حالانکہ وہ دیوبندی مسلک کے آدمی ہیں اور دیوبندیوں کی تنظیموں سے اگرچہ وہ کسی نہ کسی کے ساتھ وابستہ بھی رہے ہیں اور جمعیت علمائے اسلام کے فضل الرحمٰن گروپ کے ساتھ ان کی Nominal وابستگی بھی تھی لیکن انہوں نے کبھی ان کا ساتھ نہیں دیا - ان کی سیاست کے اپنے تقاضے ہیں جن میں وہ بات Fit نہیں بیٹھتی جو مولانا جھنگوی لے کر اٹھے تھے لہٰذا وہ تن تنہا کام کر رہے تھے - ان کو کسی بھی حلقے کی Support حاصل نہیں تھی - انہوں نے جو اپنا حلقہ بنایا وہ ان کی اپنی محنت سے وجود میں آیا تھا -

جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے' وہ واقعتاً ہر سنی مسلمان کے لئے دل آزار ہے - صحابہ کرام پر تبرّا ان کے جذبات کو بھڑکانے والی بات ہے - اسی لئے میں نے آج وہ آیات تلاوت کی ہیں جن میں بیان ہوا کہ یہ جو جماعت تھی جس کے قائد و سپہ سالار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جس میں آپ کے اعوان و انصار تھے' آپ کے ساتھی تھے' مہاجرین و انصار تھے' اس جماعت نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے - بڑی کور چشمی کی بات ہو گی اگر یہ کہا جائے کہ ان میں معدودے چند صاحب ایمان تھے - جو بہت رعایت کرتے ہیں اور Moderate قسم کے لوگ ہیں وہ یہ کہیں گے کہ باقی سب مسلمان تھے' بس مومن نہیں تھے - مومن تو گنتی کے چند افراد تھے اور جو ان میں زیادہ دریدہ دہن ہیں وہ آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ مومن بھی نہیں' سب کے سب منافق تھے - صرف چند لوگ جن سے انہیں

خصوصی نسبت حاصل ہے' ان کو وہ مومن قرار دیتے ہیں - یہ بھی وہ مسلمانوں کے سامنے کہتے ہیں ورنہ اپنی محفلوں میں وہ سب کو منافق کہتے ہیں - معاذ اللہ' ان میں ابوبکرؓ بھی ہیں عمرؓ اور عثمانؓ بھی اور ان میں عائشہؓ صدیقہ بھی ہیں' تمام ازواج مطہراتؓ ہیں سوائے ایک خدیجۃ الکبریٰ کے چونکہ وہ حضرت فاطمہؓ کی والدہ ماجدہ ہیں ورنہ اُن کے علاوہ انہیں سب ازواج مطہراتؓ پر غصہ ہے -

یہ درحقیقت بڑی ہی کور چشمی کی بات ہے' عقل کے خلاف ہے اور منطق کے بھی خلاف - کتنا عظیم انقلاب تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا' تاریخ کا عظیم ترین معجزہ - ہر سوچنے سمجھنے والا مانتا ہے کہ اس کا کوئی Parallel موجود نہیں - وہ چاہے ڈاکٹر مائیکل ہارٹ ہو چاہے ایچ جی ویلز' چاہے مہاتما گاندھی ہو یا ایم این رائے' سب نے تسلیم کیا تو ظاہر بات ہے کہ یہ معجزہ چند افراد کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا تھا - جب تک Deep Committment والی ایک بڑی جماعت موجود نہ ہو جس کے اندر اپنے مقصد کے لئے انتہائی لگن پیدا ہو چکی ہو اور جو تن من دھن ہر شے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو' اس کے بغیر ایسا انقلاب ممکن نہیں -

قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ جب لہلہاتی کھیتی میں کسان کے خون پسینے کی محنت کا ظہور ہوتا ہے' کھیتی اپکتی ہے تو وہ کسان کو بہت ہی لبھاتی ہے' اپنی محنت کا پھل دیکھ کر اس کا دل خوش ہو جاتا ہے - اسی طرح حضورؐ کا خون اپنی جماعت کو دیکھ کر بڑھتا تھا لیکن کفار کے دل جلتے تھے - آج بھی جو کوئی صحابہؓ کرام کی لہلہاتی ہوئی کھیتی سے بغض رکھتا ہے اور اگر وہ فی الواقع بغض رکھتا ہے تو یقیناً وہ اس قرآنی فتوے کی زد میں آتا ہے - ضمناً عرض کر دوں کہ جہاں تک مولانا حق نواز جھنگوی کا جام شہادت نوش کر لینے اور ان کے مقام اور مرتبے کا تعلق ہے اس کی بلندی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے - بغیر خلوص کے وہ یہ کام کر نہیں سکتے تھے - وہ سیاست میں بھی آئے اس معنی میں کہ انہوں نے خود الیکشن لڑا ہے لیکن ان کی سیاست کا انداز وہ نہ تھا جو ہمارے بعض مذہبی رہنماؤں کا ہے - بہرصورت وہ ایک مشن میں یکسو ہو کر لگے رہے اور اسی میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا ہے اور ہم قرآن کی زبان میں کہیں گے کہ جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اسے مردہ نہ کہو' وہ زندہ ہے لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے -

جہاں تک مولانا جھنگوی کے طریقہ کار کا تعلق ہے' میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ

اس میں کچھ شدت تھی' کچھ انتہاپسندی تھی- وہ اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ شیعوں کو بھی قادیانیوں کی طرح کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا- اب یہ بات ایسی تھی کہ اس میں جب تک اہل سنت کے تمام سرکردہ زعماء متفق نہ ہوں' کوئی ایک شخص اس کو لے کر کھڑا ہو جائے تو یہ بات درحقیقت کام کرنے کے صحیح اصول کے منافی ہے- جیسے قادیانیوں کا مسئلہ تھا کہ تمام مسالک کے زعماء کے اتفاق کے نتیجے میں وہ تحریک چلی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی-

اس خاص مسئلے کی تاریخ بھی سن لیجئے کہ ہمارے ہاں علمائے کرام نے' پرانے آئمہ نے اور جو بھی ہمارے ہاں ذی اکرام علمی شخصیتیں ہیں جنہوں نے یہ تو ہمیشہ کہا ہے کہ جو شخص فلاں فلاں باتیں مانے وہ کافر ہے مثلاً سیدھی سے بات ہے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ قرآن محفوظ نہیں' وہ کافر ہے لیکن اب اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے یا نہیں کہتا' اس کا فیصلہ تو کرنا پڑے گا- یہ عدالت کا معاملہ ہے اور اس شخص کے قول پر طے ہوگا- اصولی بات تو ہمیشہ کہی جاتی رہی ہے کہ جو شخص اس طرح کی بات کہے' وہ کافر ہے' دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن یہاں ہوتا یہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں چونکہ تقیہ کا اصول بھی ہے لہٰذا جب معاملہ پیش ہوتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ نہیں' ہمارا تو یہ قول ہی نہیں- لہٰذا وہ عدالت اور مفتی کے فتوے کی زد میں ذاتی طور پر نہیں آئیں گے- یہی مشکل ہے جس کے باعث چودہ سو سال کی تاریخ میں اِس پر اجماع نہ ہو سکا-

اس دور میں البتہ ایسا ہوا ہے کہ جب ایران میں انقلاب آیا اور خمینی صاحب عالمی سطح پر نمایاں ہو کر آئے ایسے کہ "لڑا دے ممولے کو شہباز سے" کا مصداق اگر کوئی بنتا ہے تو وہ شخصی حیثیت میں خمینی صاحب بنتے تھے تو ان کی تصانیف کے حوالے سے ہندوستان میں بہت سے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا- اور یہ عجیب بات ہوگی' آپ شاید حیران ہوں کہ اس سے پہلے سب سے زیادہ شدت اہل تشیع کو کافر قرار دینے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں تھی- ان کا فتویٰ صراحتہً موجود ہے جبکہ دیوبندی علماء میں سے کسی کا بھی فتویٰ صراحتہً موجود نہیں لیکن جیسا کہ میں نے کہا' کسی ایک عالم' کسی ایک فرد یا کسی ایک مکتبہ فکر کے کہنے سے وہ بات نہیں بنتی- ایران کے انقلاب کے بعد کثیر تعداد میں ہندوستان کے علماء نے جن میں دیوبندی بھی شامل ہیں' یہ فتویٰ جاری کیا لیکن جب یہ فتویٰ پاکستان میں آیا تو سوائے معدودے چند حضرات کے' علمائے کرام اس پر دستخط کرنے پر راضی نہ ہوئے بلکہ دیوبندی حضرات میں بھی اتفاق رائے (Consensus) نہ ہوا-

اس اعتبار سے اس سطح پر اتنی Extremist تحریک کا چلا دینا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا- یہی وجہ ہے کہ ہم نے بھی ان کے ساتھ کوئی خاص تعاون نہیں کیا اور اب بھی جو لوگ ان کے نام پر جھنڈے اٹھا کر نکل آئے ہیں' وہ سب سیاسی بازی گری کر رہے ہیں' کوئی ان کا ساتھ دینے والا ان کی زندگی میں نہیں تھا- اور میں بھی اعتراف کر رہا ہوں کہ میں نے بھی اس مہم میں مولانا جھنگوی کا ساتھ نہیں دیا- ایک مرتبہ بہت ہی شدت کے ساتھ مجھے دعوت دی گئی تھی اور مولانا حامد میاںؒ کے صاحب زادے کی سفارش بھی آئی کہ وہاں اُن کے جلسے میں آپ بھی جائیں' تقریر کریں تو میں نے معذرت کی- اس لئے کہ میرے نزدیک جس انداز میں وہ جا رہے تھے' وہ مصلحت کے مطابق نہیں تھا' صحیح طریقہ کار کے مطابق نہیں تھا-

اتنی بڑی تحریک لے کر اٹھنے کے لئے پہلے علماء کرام کے درمیان اتفاق رائے کا ہونا بہت ضروری ہے - جب ۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف ختم نبوت کی تحریک شروع ہوئی' اس وقت مولانا محمد علی جالندھریؒ بریلوی مکتبہ فکر کی اس وقت کی چوٹی کی شخصیت مولانا ابو الحسنات قادری سے ملنے گئے تو انہوں نے ملاقات سے بھی انکار کر دیا - مولانا یوسف لدھیانوی (بنوری ٹاؤن کراچی) کی روایت ہے جو انہوں نے خود مجھے سنائی کہ اس وقت مولانا محمد علی جالندھری نے مولانا ابو الحسنات قادری کے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا کہ ٹھیک ہے آپ بات نہیں کرنا چاہتے لیکن میں اپنی کسی غرض سے نہیں آیا' آپ ہی کے نانا کی آبرو اور عزت پر جو حملہ ہوا ہے میں اس کے ضمن میں بات کرنے آیا ہوں- یہ جملہ سن کر مولانا ابوالحسنات قادری گفتگو پر آمادہ ہوئے- اور پھر لاہور میں انہوں نے تحریکِ ختم نبوت کی قیادت کی- جب تک کہ اس طرح سے در در پر جا کر اور گھر گھر جا کر اتفاق نہ حاصل کر لیا گیا ہو' اتنا بڑا مطالبہ کہ ایک ایسے بڑے گروہ کو غیر مسلم قرار دیا جائے جو چودہ سو برس سے ہم مسلمانوں میں شامل ہیں اٹھانا مناسب نہیں تھا- اس اعتبار سے مجھے ان سے اختلاف تھا- لیکن ان کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا- خاص طور پر جھنگ کی مخصوص فضا میں وہ جس رد عمل کا اظہار کر رہے تھے اس کے حوالے سے بھی ان دونوں اعتبارات سے ان پر کوئی الزام نہیں رکھا جا سکتا-

اب اس ضمن میں بھی دو باتیں عرض کروں گا کہ اول یہ کہ اس معاملے میں جلد از جلد تحقیق ہو اور اصل مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے- ورنہ افواہیں اور داستانیں پھیلتی رہیں گی اور آگ بھڑکتی رہے گی- جھنگ کے اندر آگ ابھی تک سلگ رہی ہے اور ہو سکتا

ہے یہ آگ دوسرے شہروں تک بھی پھیل جائے - ہمارے ملکی حالات کا اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اس معاملے میں جذبات کو ایک حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے - یہ ملک کے لئے بھی نقصان دہ ہو گا اور خود دین کے مستقبل کے اعتبار سے بھی نہایت خوفناک ہو گا - اس اعتبار سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے -

اگر جذبات سے ہٹ کر صبر و تحمل اور احتیاط سے معاملے کو حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہی صورت رونما ہو سکتی ہے جو شیطان رشدی کے معاملے میں ہوئی تھی کہ اسلام آباد میں نوجوانوں نے جانیں دیں' بھارت میں پندرہ سولہ افراد جاں بحق ہوئے - ان کے اجر و ثواب کا معاملہ تو اللہ کے ساتھ ہے --- مگر اس شیطان کا کچھ نہیں بگڑا - اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ منصوبہ بندی اور تنظیم کے بغیر اقدام کیا گیا - جوش میں آکر سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے - اسی طرح اس معاملے میں بھی صبر و تحمل کی ضرورت ہے - ملک میں فرقہ وارانہ فساد کی آگ بھڑک اٹھی تو دشمنوں کے گھر میں گھی کے چراغ جلیں گے - ○○

بقیہ : الھُدیٰ

اس لیے کہ انسان اپنے خول سے باہر نکل کر اللہ کے جمال و کمال کا کوئی مشاہدہ نہ کر پایا۔ اگر کہیں انسان اس کی کوئی جھلک دیکھ پاتا تو یہ تمام چیزیں ہیچ ہو جاتیں اور ان میں سے کسی کو اس کے مطلوب و مقصود ہونے کی حیثیت حاصل نہ رہتی اور " منزلِ ما کبریاست " کے مصداق ذات باری تعالیٰ ہی اس کا مطلوب و محبوب اور منتہائے مقصود ہوتی ۔ اب اس کا علاج اگر کوئی ہے تو وہ یہی کہ اللہ کی معرفت کی روشنی کو عام کیا جائے' خدا کی پہچان لوگوں میں عام کی جائے۔ اگر انسان خدا کو پہچان لے اور اللہ کی قدر کسی درجے میں کر سکے جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے' اور اگر اس کی قوتوں' اس کی توانائیوں' اس کے اختیارات' اس کے صفاتِ کمال اور اس کے حسن و جمال کا کوئی ہلکا سا اندازہ بھی کر پائے تو ممکن نہیں ہے کہ پھر وہ اس کے مقابلے میں کسی اور کی طرف متوجہ ہو اور کسی اور کو اپنے قلب کے سنگھاسن پر محبوب و مطلوب کا درجہ دے کر بٹھائے۔ تو یہ ہے شرک کا اصل سبب اور یہ ہے اس کے سدِّباب کی واحد کوشش ۔ یہ ہے وہ توحید اور شرک کا فلسفہ کہ جو ان دو آیات میں انتہائی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے ___

(جاری ہے)

بندگی کی صراطِ مستقیم

از قلم: مولانا الحاج محمد احتشام الحسن کاندھلوی
(یکے از اکابرینِ تبلیغی جماعت)

اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے اور اسلام معبودِ واحد کی اطاعت و بندگی سے عبارت ہے۔ یہ بندگی اور اطاعت جزوی نہیں بلکہ زندگی کے ہر گوشے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن درکار ہے۔

مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کا نام تبلیغی جماعت اور اس کے مؤسس کے حوالے سے جانا پہچانا ہے اور مولانا کی تحریریں تبلیغی جماعت کے دورِ اوّل کے نقوش کو مبرہن کرنے والی ہیں — اس سے قبل بھی ان صفحات میں مولانا موصوف کی تحریر مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج، شائع ہو چکی ہے یہ حالیہ تحریر ہمیں مراد آباد ہندوستان سے مولانا افتخار فریدی صاحب نے اس تاکید کے ساتھ ارسال کی ہے کہ اسے ضرور شائع کیا جائے۔ مولانا خود تبلیغی جماعت سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور تمام مخلص اور دردمند مسلمانوں کی مانند وہ اُن تمام تحریکوں اور اداروں سے گہرا تعلق خاطر محسوس کرتے ہیں جو دین کی خدمت میں مصروف عمل ہوں۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف مولانا کا قلم حقیقت شناس 'بندگی کی صراطِ مستقیم' ایسی تحریریں سپردِ قلم کرتا ہے مگر دوسری طرف تبلیغی جماعت عملاً بندگی کے اُس ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی تصوّر سے گریز پا نظر آتی ہے اور مولانا موصوف کے فرمودات سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔

اس تحریر میں بھی جہاں تک مرض کی تشخیص کا تعلق ہے، دوسری تحریکوں سے سرِمُو کوئی اختلاف دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں علاج کے تجویز کرنے میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ مگر موصوف کی وسیع النظری ہے کہ وہ اس پر مُصر نہیں کہ یہی ایک واحد علاج ہے بلکہ اور بھی علاج ممکن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریر بھی عبادتِ رب اور تصورِ فرائضِ دینی کے معاملے میں عالمِ اسلام کی دوسری احیائی تحریکوں کی سوچ سے کلی مطابقت رکھتی ہے اور اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تنظیمِ اسلامی کے فکر اور اس کے امیر کی سوچ سے بھی پورے طور پر ہم آہنگ ہے۔ گویا معاملہ وہی ہے کہ:

"متفق گر دید رائے بوعلی با رائے من"۔

فاتحہ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آمين ۝

(ترجمہ) سب ستائش اس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ جزا کے دن کا مالک ہے ـــــ خدایا ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھی سے اپنے کاموں میں اعانت چاہتے ہیں۔ ہدایت عطا فرما ہمیں ہماری زندگی کے لئے اپنی صراطِ مستقیم کی اپنے ان لوگوں کے راستہ کی جن پر تو نے انعام فرمایا ہے نہ ان پر تیرا غضب ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ آمین!

یہ قرآن مجید کی ابتدائی سُورت ہے جس سے اللہ رب العٰلمین نے اپنی کتاب کا افتتاح فرمایا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی خدائی اور اس کی ربوبیتِ کاملہ تامہ کا اعتراف ہے۔ وہ بڑا

مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی روزِ حشر اپنے تمام بندوں کے اعمال کا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ اس اعترافِ حقیقت کے بعد اپنی جانب سے اس امر کا اقرار ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کریں گے، کسی اور کی بندگی نہ کریں گے اور تیرے ہی سے اپنے جملہ امور میں اعانت طلب کریں گے کسی اور سے چارہ جوئی نہ کریں گے۔ اس کے بعد اس صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کی درخواست ہے جو اس کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کا ابتدا سے صحیح راستہ ہے جن پر نہ کبھی کوئی عتاب ہوا ہے اور نہ وہ صحیح راستے سے ہٹے ہیں۔ جب یہ سورت ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اور خدا کی خدائی اور اپنی بندگی و بے چارگی کے اعتراف و اقرار کے بعد اس کی بارگاہ سے اپنی زندگی کے لئے بندگی کی صراطِ مستقیم کی التجا کرتے ہیں تو ہمیں معلوم بھی ہونا چاہیئے کہ وہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ جو صراطِ مستقیم ازل سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہے وہ اس قدر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتی جس کو کوئی سمجھ بھی نہ سکے۔ جس ہدایت کے لئے پورا قرآن نازل کیا گیا ہے اس کو چھوڑ کر پس پشت ڈال کر کوئی دوسرا ہدایت کا راستہ کبھی فلاح و نجات نہیں پہنچا سکتا۔

زندگی کے لیے صراطِ مستقیم کیا ہے؟

آج پوری دنیا اضطراب و بے چینی میں مبتلا ہے۔ ہر سمت ہلاکت و تباہی کے اسباب روز افزوں ہیں۔ کسی گوشہ میں سکون و اطمینان اور سلامتی و امن کی فضا نظر نہیں آتی۔ اس میں اسلامی ممالک اور غیر اسلامی ممالک میں کوئی فرق و امتیاز نہیں آسمانی آفتیں بھی ہر جگہ آرہی ہیں اور خود انسانی مصنوعات بھی بنی نوع انسانی کی تباہی کے سامان فراہم کر رہی ہے۔ کیا یہ ایٹم بم آفت ہی تو نہیں جو ہمارے ہی ہاتھوں تیار کرائی گئی ہے۔ ؎ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا فرمانے سے پہلے اس کی روحانی اور مادی زندگی کے لئے اصول و ضوابط بھی پیدا فرمائے تھے۔ مادی زندگی کے لئے قانونِ قدرت ہے جس سے انسان یکسر مو تجاوز نہیں کر سکتا اور روحانی زندگی کے لئے قانونِ فطرت ہے جس کو دینِ فطرت کہتے ہیں۔ کوئی انسان اس کو ماننے پر مجبور نہیں۔ یہاں انسان کو ایک گونہ اختیار دیا گیا ہے اور اسی پر انسانی ترقی کا مدار ہے۔

غرض جس طرح انسان کے مادّی گذران کے لئے انسان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے تکوینی نظام قائم کیا گیا، اسی طرح اس کی رُوحانی ترقی اور پرواز کے لئے بھی ایک ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی مقرر کر دیا گیا جس کو "تشریعی نظام" کہتے ہیں جو ابتدا سے ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے ہے اور اسی پر انسان کی دارین کی ترقی اور نجات و فلاح موقوف ہے۔ جب اس میں کسی قسم کا بگاڑ اور فساد پیدا ہو جاتا ہے تو قانونِ قدرت کے موافق اس کا انتقام لیا جاتا ہے۔ انسان کو اس میں دَم مارنے کی گنجائش نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً	اور ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کی عادت میں تبدیلی
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلاً	اور ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کی عادت میں گردشی
وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ	اور جو شخص کریگا بُرائی تو اس کا بدلہ دیا جائیگا

عادۃ اللہ ہمیشہ سے یہی ہے اور عاداتِ خداوندی میں تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا کیا یہ ہماری تباہ کاریاں اسی کا تو خمیازہ نہیں؟

یہ رُوحانی نظامِ زندگی انبیاء اور رسولوں کے ذریعے دنیا میں بھیجا گیا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول آئے مختلف زمانوں اور ملکوں میں آئے جن کا آغاز ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور انجام انبیاء و رسولوں کے سردار حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ہوا۔ آپؐ کو ایک جامع ضابطۂ حیات دے کر بھیجا گیا جو رہتی دنیا تک تمام نوعِ انسانی کی صلاح و فلاح کا متکفل و ضامن ہے اور کامل و مکمل قانونِ خداوندی ہے۔ جس کے تحفّظ و بقا کا خود پروردگارِ عالم کی جانب سے وعدہ کیا گیا ہے، جو قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا جیسا کہ نازل کیا گیا تھا آپؐ پر سلسلۂ نبوّت و رسالت کو ختم کر دیا گیا اور تمام نسلِ انسانی کو آپؐ کی "امّتِ دعوت" قرار دے دیا گیا۔

اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

۱۔ اصل دین کیا ہے؟ جو تمام الہامی خدائی مذاہب میں مشترک ہے۔ اور متفقہ مقاصد ہیں۔

۲۔ انبیاء اور رسولوں اور الہامی کتابوں کے بھیجنے کا مقصد کیا ہے؟

۳۔ سلسلۂ نبوّت و رسالت جو ابتدا سے نوعِ انسانی کی رہنمائی کر رہا تھا نبی آخر زماں صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کیوں ختم کیا گیا جبکہ نوعِ انسانی رہتی دنیا تک ہدایتِ ربّانی کی محتاج ہے۔ اور یہ ضرورت روز افزوں ہے؟

اگر ان تینوں سوالوں کو صحیح طور پر حل کر لیا جائے تو وجوہ فساد خود واضح ہو جائیں گی۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ ملت اسلامیہ "خیر امم" ہونے کے باوجود آج کیوں ذلت و نکبت میں مبتلا ہے جو روز افزوں ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	ظاہر ہوا ہے فساد خشکی اور دریا میں اس
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔	وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا۔
مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ	جو مصیبت بھی تمہیں پہنچی ہے تو تمہارے
فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ	ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے۔
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ ظَلَمُوا	اور نہیں ظلم کیا ہے ان پر اللہ نے لیکن
أَنْفُسَهُمْ	انہوں نے خود ہی اپنے پر ظلم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں جو میری ناقص تحقیق ہے اس کو پیش کرتا ہوں تاکہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر لیا جائے چنانچہ نمبروار ہر سوال کے متعلق اپنی ناقص معلومات پیش ہیں۔

(۱)

۱۔ پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کرۂ ارضی کی کیچڑ سے بنایا اور علم و فہم کی دولت سے نواز کر مسجود ملائکہ بنایا۔ اس وقت ابلیس نے کبر و غرور کی وجہ سے سرکشی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور مردود ازلی ہوا۔ تو ابتدا ہی سے فرمانبرداری اور نافرمانی کی دو راہیں کھل گئیں۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ فرمانبرداری کی راہ فرشتوں کی رحمانی راہ ہے اور نافرمانی کی راہ "شیطانی راہ" ہے جس کی جانب قیامت تک شیطان لوگوں کو بلاتا رہے گا جس کا آغاز بھی جنت ہی سے ہو گیا تھا اور شیطان نے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام کو ورغلایا۔

یہ مہلت بھی اس کو پروردگار عالم ہی کی جانب سے مصلحتہً دی ہوئی ہے۔ پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی تمام ذریات کو نکالا اور اُن سے اپنی ربوبیت اور خدائی کا اقرار کرایا جس کا تقاضا بندگی فرمانبرداری ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ	اور جب نکالا تمہارے پروردگار نے
(إِلَى) قَالُوا بَلَىٰ (اعراف)	بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی
	ذریات کو اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ سب نے
	کہا "ہاں بے شک"۔

پھر دوسرا معاہدہ انبیاء اور مرسلین سے یہ لیا گیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (الٓ) فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (اٰل عمران)

اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم سے پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول جو سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا؟ اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا؟ بولے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں پھر جو کوئی پھر جاوے گا اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان (آل عمران)

یہ دوسرا معاہدہ بھی نبیوں کے ذریعہ ان کے متبعین سے ہی لیا گیا ہے۔ انہی عہد و پیمان کی جانچ اور امتحان کے لئے ذرّیات آدم کو روئے زمین پر بھیجا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:-

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے بیکار اور تم لوگ ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے؟

ان دونوں عہد و میثاق پر نظر کرنے سے چند امور سامنے آتے ہیں:

(الف) اللہ رب العالمین کی ربوبیت و خدائی اپنی بندگی و فرمانبرداری کا عہد۔

(ب) انبیاء مرسلین اور سابقہ الہامی کتابوں کی تصدیق و توثیق۔

(ج) سیّد الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ایمان و یقین۔

(د) دینِ محمدی کی نصرت و حمایت اور تسلیم و تصدیق۔

انہی امور پر سورۂ فاتحہ مشتمل ہے جو تمام قرآن مجید کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے۔ پورا قرآن مجید اس کی توضیح و تشریح ہے اور انہی امور کا قبر میں مردہ سے سوال کیا جائیگا۔ مَنْ رَّبُّكَ (تیرا پروردگار کون ہے؟) وَمَا دِيْنُكَ (اور تیرا مذہب کیا ہے؟) وَمَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ (اور یہ شخص کون ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہاری طرف بھیجے گئے؟) جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث میں مذکور ہے (مشکوٰۃ از احمد و ابی داؤد)

پس واضح ہو گیا کہ یہی امور اصل دین ہیں جو تمام سابقہ شرائع میں مشترک ہیں۔ حضرت

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایں بزرگواران در اصولِ دین متفق اند وکلمہ ایشاں واحد است در ذات و صفات تعالیٰ وتقدس وحشر ونشر و ارسالِ رسل ونزولِ ملک و ورودِ وحی ونعیم جنت وعذاب جحیم بطریق خلود وتابید اختلاف ایشاں در بعض احکام است کہ بہ فروع دین تعلق دارد۔
(مکتوباتِ مجددیہ مکتوب ۶۳ جلد اوّل)

یہ انبیاء کا برگزیدہ گروہ سب کے سب اصولِ دین میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات اور حشر ونشر اور رسولوں کی بعثت اور فرشتوں کے نزول اور وحی کے ورود اور نعماءِ جنت اور عذابِ آخرت کے دائمی ابدی ہونے میں ان سب کی بات ایک ہے ان میں اختلاف بعض احکام میں ہے جو فروعِ دین سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ اصول مسلّمہ بیان فرما کر اسی مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے فروع میں اختلاف کی وجہ اور ان اصول متفقہ کی مزید تشریح وتوضیح بیان فرمائی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالاتِ اسمائی وصفاتی است و مظہر جمیع انبیاء است بر سبیلِ اعتدال کتابے کہ بروے منزل شدہ است خلاصہ جمیع کتبِ سماوی است کہ بر سائر انبیاء علیہم السلام منزل شدہ اند۔
والیضاً شریعتے کہ آں سرور را عطا فرمودہ اند زبدہ جمیع شرائع ماتقدم است واعمالے کہ بمقتضائے ایں شریعتِ حقہ است منتخب از اعمالِ شرائع سابقہ است بلکہ از اعمالِ ملائکہ نیز۔۔۔۔۔۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کو جامع ہیں۔ اعتدال کے ساتھ تمام انبیاء کرام کے مظہر ہیں۔ جو کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے تمام الہامی کتابوں کا خلاصہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں۔ نیز جو شریعت کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی گئی ہے تمام سابقہ شرائع کا خلاصہ مقصود ہے اور جو اعمال اِس شریعتِ حقہ کے بموجب مقرر کئے گئے ہیں وہ شرائع سابقہ کے مقرر کردہ اعمال بلکہ فرشتوں کے اعمال سے

بھی منتخب ہیں۔

دریں شریعت از اعمال امم سابقہ و ملائکہ	اس شریعت حقہ میں امم سابقہ اور ملائکہ
مقربہ خلاصہ از زبدہ آں را انتخاب	فرشتوں کے اعمال سے خلاصہ کرکے
کردہ مامور ساختہ اند (مکتوب ۷۹	جوہر مقصود انتخاب فرما کر امتِ محمدیہ کو اس
(جلد اول)	کا مامور و مکلف فرمایا ہے۔

ان میں پہلی تین باتیں تو بالکل صاف ہیں۔ ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں قابلِ توجہ اور غور اس عہد و میثاق کا آخری جزء (یعنی دینِ محمدی کی نصرت و حمایت) ہے کیونکہ اس موثق عہد و میثاق میں محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر ایمان و یقین پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ پوری تاکید کے ساتھ آپؐ کے دین کی نُصرت و حمایت کا بھی عہد و میثاق لیا گیا ہے۔

اس کی اہمیت اس امر سے اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے تیرہ[۱۳] سال مسلسل اپنے کو قبائلِ عرب پر پیش فرمایا اور اُن سے اللہ و رسول پر ایمان کے علاوہ دین کی نصرت و حمایت کا بھی مطالبہ فرمایا۔ حالانکہ آپؐ کو اللہ رب العزت کی نصرت و حمایت کا پورا یقین و وثوق حاصل تھا۔ آپؐ کو دوسروں کی نُصرت و حمایت کی اصلاً حاجت نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ کے ادنیٰ اتقیوں نے کفار و مشرکین کے نرغوں میں تن تنہا بے خوف و خطر اسلام کی دعوت کو پہنچایا اور کامیاب ہوئے ہیں[۱]۔

اب اس کا باعث اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ چونکہ دین حق کی نصرت و حمایت کا عہد اس میثاقِ ازلی میں داخل تھا۔ اس لئے کہ آپ اس کو امت سے پورا کرانا چاہتے تھے۔ تاکہ پورے میثاق کی ادائیگی ہو جائے اور کوئی جزء ناتمام نہ رہے۔ چنانچہ پروردگارِ عالم کا مومنوں کو حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو ہو جاؤ تم اللہ کے دین
أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ	کے مددگار جیسا کہ جب کہا عیسیٰ ابن
مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي	مریم نے حواریوں سے کہ کون ہے میرا
إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ	مددگار اللہ کے دین کے لئے تو کہا حواریوں

---

[۱] حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور دیگر بزرگانِ دین کے بکثرت واقعات ہیں کہ کس طرح ان بزرگوں نے کفرستان میں پہنچ کر اسلام کی دعوت لوگوں کو پہنچائی اور ان کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ ۱۲

اَنْصَارُ اللّٰہِ ۔ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں ۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی پھر اس آیت میں مومنوں کو دینِ خداوندی کی نصرت و حمایت کا حکم دیا گیا جس سے مراد جہاد ہے کیونکہ جہاد سے مقصود بھی نصرتِ دین ہی ہے ۔

(۲)

انسان کو پہلے عقل و شعور اور علم و فہم کی دولت دی گئی ۔ پھر اس سے اپنی خدائی اور عبادت و فرمانبرداری کا مستحکم عہد و میثاق لیا گیا لیکن محض انسانی عقل و شعور اور علم و فہم پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ انسان کی صحیح رہنمائی اور مزید یاددہانی کے لئے انبیاء اور رسولوں کی برگزیدہ اور مقدس جماعت کو بھیجا گیا اور ان کے ذریعہ اپنے احکام کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں بھیجے ۔ ابتدائے آفرینش سے انبیاء اور رسولوں کے سردار خاتم النبیین نبی آخر زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت تک ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی و رسول بھیجے گئے ۔ سب کی اصل دعوت ایک تھی ۔ ایک ہی پیام تھا اور ایک ہی مقصد حیات تھا یعنی پروردگار عالم کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور نافرمانی و سرکشی کی راہ اختیار نہ کی جائے ۔ یہی زندگی اور بندگی کی صراط مستقیم ہے ۔

پس انبیاء اور رسولوں کی بعثت درحقیقت اس میثاقِ ازلی کی یاددہانی بھی ہے اور مخلوقِ خدا کی صحیح رہنمائی بھی ہے اور مخلوق کے لئے آخری ' حجتِ خدائی ' بھی ہے

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ — تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ پر حجت رسولوں کے آنے کے بعد ۔

اسی لئے روزِ حشر کافروں سے کہا جائے گا :۔

اَلَمْ یَأْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیَاتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَاءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ۔ — کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کے حال سے ڈراتے تھے

اس آخرت کی دائمی سزا کے علاوہ پروردگار عالم نے تنبیہ اور تحدید کے لئے اپنی سرکشی نافرمانی کے نتائج دنیا میں بھی دکھائے ہیں اور سرکشوں اور نافرمانوں کو انکی سرکشی اور نافرمانی کی پاداش

میں ہلاک اور برباد بھی فرمایا ہے تاکہ دوسروں کے لئے یہ تباہی و بربادی تازیانہ عبرت بنے۔ وہ آخرت کے بُرے انجام سے آگاہ ہوں۔

نوعِ انسانی کی سابقہ تاریخ پوری شہادت دے رہی ہے کہ جس قوم نے اللہ اور اس کے احکام سے سرتابی اور سرکشی کی ایسی طرح تباہ و برباد ہوئی کہ روئے زمین پر اس کا نام و نشان تک نہ رہا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۔	اور کتنی آبادیاں سرکشی کی انہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے پس گرفت کی ہم نے ان کی سخت گرفت اور سزا دی ہم نے انہیں انوکھی سزا پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال اور ہوا ان کے کرتوت کا انجام خسارہ۔

مخلوق کو یہ سزائے عبرت بھی اسی وقت دی گئی جبکہ ان کے پاس رسولوں کو بھیج کر ان کو حق و صداقت سے آگاہ کر دیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ	اور نہیں ہے تمہارا پروردگار کسی آبادی کو ہلاک کرنیوالا جب تک کہ اس کے مرکز میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور نہیں ہیں ہم کسی آبادی کو ہلاک کرنیوالے مگر اس وقت جب کہ اس آبادی والے ظالم ہوں۔

اس سے انبیاء اور رسولوں اور الہامی کتابوں کے بھیجنے کی غرض و غایت بخوبی واضح ہو گئی۔ وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے بھی بھیجے گئے اور مخلوق کے لئے اتمامِ حجت بھی تھے تاکہ دنیوی اور اخروی سزا میں وہ لوگ اپنی بے خبری اور لاعلمی کا عذر نہ پیش کر سکیں۔

انبیاء سابقین کی دعوت اور اس کے نتائج اور واقعات کو مختلف اسلوبوں کے ساتھ قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے جو کفار و مشرکین کے لئے درسِ عبرت بھی ہیں (بشرطیکہ ان تک ان واقعات و نتائج کو پہنچا بھی دیا جائے)

اور مسلمانوں کے لئے درسِ عمل بھی ہیں (بشرطیکہ وہ اس عملی جد و جہد کو اختیار بھی کریں جس

کی وجہ سے ان کو بار بار دُہرایا گیا ہے)۔

اور یہ ذمہ داری علماء اُمت پر زیادہ عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو انبیاء سابقین کا وارث اور جانشین قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل	میری اُمت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔
العلماء ورثۃ الانبیاء	علماء امت انبیاء کرام کے وارث ہیں۔

یہاں یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء سابقین کے واقعات میں اس امر کا بار بار اظہار کیا گیا ہے کہ ان پر بہت کم لوگ ایمان لائے۔

وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ	اور نہیں ایمان لائے ان کے ساتھ مگر تھوڑے لوگ۔

حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کی ساڑھے نو سو سالہ دعوت کے نتیجہ میں اسّی اشخاص نے ایمان قبول کیا۔ اور انہی اشخاص نے کشتی میں سوار ہو کر عذابِ الٰہی سے نجات پائی باقی تمام قوم غرق آب ہو کر ہلاک ہوئی۔ جس سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین کی دعوت خود ایک مطلوب اہم مقصود امر ہے کیونکہ قرآن مجید کلام الٰہی ازلی ہے اور پروردگارِ عالم علّام الغیوب اور علیم و خبیر ہے۔

ان نتائج کے علم کے باوجود انبیاء سابقین سے دینی دعوت میں جد وجہد کرانا اور ان کو ہر نوع کے مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرنا دعوتِ دین کی اہمیت کو بخوبی واضح کر رہا ہے۔

پھر جس قدر جس نبی و رسول نے دینِ حق کی دعوت میں جد وجہد کی مصائب اور مشکلات برداشت کئے اسی قدر بارگاہِ خداوندی میں مقرب ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقرّبِ خداوندی کا اعلیٰ ترین ذریعہ دعوتِ دین میں جد وجہد ہے جس کو پروردگارِ عالم نے اپنے پاکیزہ بندوں برگزیدہ رسولوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم	انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وتسلیماتہ علیہم نے
کہ بہترین کائنات اند بشرائع دعوت	جو کائناتِ ہستی کے بہترین افراد ہیں۔
کردہ اند دور نجات برآں ماندہ اند	شرائع الٰہیہ کی دعوت دی ہے اور نجات

ومقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است۔ پس بزرگ ترین خیر است سعی در ترویج شریعت ست واحیاء حکمے از احکام آں علی الخصوص در زمانیکہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند کروڑھا در راہ خدا عزوجل خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ رواج دادن چہ دریں فعل اقتدا بانبیاء است کہ بزرگ ترین مخلوقات اند علیہم الصلوات والتسلیمات ومشارکت ہست بآں اکابر ومقرر است کہ کامل ترین حسنات بایشاں مسلم فرمودہ اند وخرچ کردن کروڑھا غیر ازیں اکابر را نیز میسّر است۔

(مکتوب ۸۴ جلد اوّل)

کا اسی کو معیار قرار دیا ہے اور ان اکابر کی نبوّت وبعثت ومقصود ہی شرائع کی تبلیغ ہے پس ہر امر خیر سے بزرگ تر خیر شریعت کی ترویج میں سعی اور جد وجہد ہے اور احکام شریعت میں سے کسی حکم کو زندہ کرنا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ شعائر اسلام منہدم ہو رہے ہیں کروڑوں روپیہ خدائے عزوجل کے راستہ میں خرچ کرنا مسائل شرعیہ میں سے کسی ایک مسئلہ کے رواج دینے کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام کی اقتداء ہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان اکابر کی ہمنوائی ہے اور یہ امر قطعی ہے کہ کامل ترین حسنات بزرگواروں کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑوں خرچ کرنا تو ان اکابر کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے بھی میسّر ہے

سیّد الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بعثت ونبوّت کے بعد پورے تیرہ سال متواتر مسلسل دینِ حق کی دعوت پہنچائی اور ہر نوع کے مصائب اور مشکلات کو برداشت فرمایا۔ یہی حال ان اصحاب کا تھا جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ ہر صحابی اسلام کو قبول کرنے کے بعد اپنے کو اسلام کا داعی سمجھتا تھا۔ مکّہ مکرّمہ کے قیام کے دوران میں تقریباً دو ثلث قرآن مجید نازل ہوا۔ جس میں دعوت کے مقاصد اور دلائل اور انبیاء سابقین کی دعوت کے واقعات اور نتائج کو واضح کیا گیا اور ان کی عملی جد وجہد اور عزم استقلال کو کھول کھول کر بیان کیا گیا تاکہ امّت مسلمہ کے لئے نمونۂ عمل دلیل راہ بنے۔ اس طرح جب انفرادی دعوت کی ہر طرح پوری تکمیل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مدینہ منوّرہ ہجرت کا حکم دے دیا گیا۔

پس تمام انبیاء کرام کا مخصوص کام اور ان کی بعثت کا اصل مقصود دین کی دعوت اور شریعتِ الٰہیہ کو دوسروں تک پہنچانا ہے اور اس کو پھیلانا اور رواج دینا ہے تاکہ مخلوقِ خدا دائمی عذاب سے نجات پائے

جس طرح عقل وفہم کی رہنمائی ابتدا سے ہے اور آخر تک کے لئے ہے، اسی طرح نبوت رسالت کی ہدایت و رہنمائی بھی ابتدا سے ہے اور آخر تک کے لئے ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انبیاء سابقین کی نبوت عام نہ تھی اور ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ مخصوص قوموں کے لئے تھی اور محدود زمانوں کے لئے تھی۔ اسی لئے ان کی شرائع کے تحفظ اور بقاء کا اہتمام نہ کیا گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت عام ہے۔ تمام انسانوں کے لئے ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے جس کی ادائیگی فرد واحد سے ظاہری طور پر کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ کی دعوت میں آپ کا اتباع کرنے والوں کو بھی شامل کر دیا گیا جیساکہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اے محمدؐ اعلان کر دو۔ یہی ہے میرا راستہ کہ بلاتا ہوں اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت میں بھی اور وہ شخص بھی جس نے میرا اتباع کیا ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اب جب تک روئے زمین پر آپؐ کا اتباع کرنے والے رہیں گے دین حق کی دعوت کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

اس طرح انفرادی بعثت و نبوت کے سلسلہ کو آپؐ پر ختم کر کے دین حق کی دعوت کی ذمہ داری آپؐ کی امت پر عائد کر دی گئی۔ کیونکہ آپؐ کا ہر امتی آپؐ کا متبع اور پیرو ہے۔ اور آپؐ کی امت کو "امتِ داعیہ" قرار دے دیا گیا جو رہتی دنیا تک اقوام عالم کی رہنمائی کرے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام بنی نوعِ انسانی جن و بشر رہتی دنیا تک آپ کی "امتِ دعوت" ہے۔ جس تک دینِ حق کی دعوت کا پہنچانا آپؐ کی امت اور آپؐ کے متبعین کی ذمہ داری ہے۔ مگر اس کے لئے دو اہم شرطیں لازم ہیں جو خود اسی آیت میں مذکور ہیں:

اوّل یہ کہ علیٰ وجہ البصیرت یقین و وثوق کے ساتھ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جائے۔

دوسرے یہ کہ نفس کی جانب دعوت کا شائبہ بھی نہ ہو صراحۃً اس کی برات ہو اور کسی دوسری غرض کی آمیزش اور آویزش سے بالکل خالی ہو۔ کیونکہ یہ بھی شرک ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے مستغنی و بے نیاز اور منزہ و پاک ہے۔

اس منصبِ عظیم کی وجہ سے امتِ محمدیہ کو دیگر امم اور اقوام عالم پر آمرانہ اختیارات

دیئے گئے اور اس کو "خیر امت" کا خطاب عطا کیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

اے امتِ محمدیہ تم خیر امت ہو تمہیں لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور ہو تم میں ایسی جماعت جو خیر کی جانب دعوت دے اور بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے باز رکھے اور وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو انجام دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق امر بالمعروف سے مراد دین کا اتباع کرنے کا حکم ہے اور نہی عن المنکر سے مراد کفر و شرک سے باز رکھنے کا حکم ہے۔ (اس امر کو میں تفصیل سے مستقل بیان کر چکا ہوں۔)

اس تفصیل سے امتِ مسلمہ کا اصل فرض منصبی بھی معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دینِ حق کی دعوت کا سلسلہ جو انبیاء سابقین کے ذریعے جاری تھا ختمِ نبوت کی وجہ سے وہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی پوری ذمہ داری امتِ مرحومہ ملتِ اسلامیہ پر عائد کی گئی ہے تاکہ جو کام پہلے افراد و اشخاص سے لیا جا رہا تھا آئندہ اس کی ادائیگی اجتماعی طور پر جماعتی نظم سے ہوتی رہے۔

اسی لئے علماء امت نے ہر دور میں اسلام کی دعوت کو فریضہ اسلامی قرار دیا۔ بعض علماءِ امت نے دلائل کی عمومیت کی وجہ سے اس کو فرض عین قرار دیا ہے۔ اور دیگر بعض نے عام صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے اس کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ تفاسیر اور شروحِ احادیث سے اس کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ امر بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اگر کسی فرض کفایہ کی بقدر کفایت و ضرورت ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو پھر وہ فرض عین کے حکم میں ہے اور ہر مسلمان اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے تاوقتیکہ بقدر کفایت و ضرورت اس کی ادائیگی کا انتظام نہ ہو جائے۔

دعوتِ دین کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر ہر اسلامی بستی میں پانچوقت دعوتِ اسلام کے اعلان عام کو ضروری قرار دیا گیا اور اس کو اہم شعائرِ اسلام سے قرار دیا گیا۔ یہ پانچ وقت اذان کا اصل مقصود اور مفہوم ہے۔ (جس کی وضاحت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ

نے اپنی تصانیف میں اچھی طرح فرمائی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان اذان کی آواز سے بھاگتا ہے۔ اور اس حد تک بھاگتا ہے کہ یہ آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچے کیونکہ یہ شیطانی دعوت کا اصل توڑ ہے اور باطل دعوتوں کے مقابلہ میں دعوتِ حق کا اعلان عام ہے۔ اسی لئے اذان کی اجابت و قبولیت کو مسلمانوں کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے[1]۔

اس امر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے کہ جب الفاظ دعوت میں یہ قوت و تاثیر ہے کہ شیطان ان کو سن کر بھاگتا ہے تو اصل دعوت میں کس قدر قوت و طاقت ہو گی! مگر افسوس اور صد افسوس غیر مسلم تو درکنار ہم خود بھی اس حقیقت کی جانب متوجہ نہیں۔ اگر اذان ہی کے معنی اور مفہوم کو ذہن نشین کر کے ہم دوسروں تک پہنچا دیں تو کسی نہ کسی حد تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

غرض منصب نبوت و رسالت کو اگرچہ درجہ کمال و تمام تک پہنچا کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا مگر نبوت و رسالت کی ہدایت ختم نہیں کی گئی بلکہ اس کی ذمہ داری اس امت پر عائد کی گئی ہے جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور اپنے اطراف و جوانب کی خیر خواہی اور صحیح رہنمائی کی ذمہ دار ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

الدین النصیحۃ — دین اسلام سراسر خیر خواہی ہے۔

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انفرادی دعوت کو اجتماعی نوعیت دی اور اطراف و جوانب میں دعوتی وفود بھیجے۔ اگرچہ ہجرت سے قبل بھی آپؐ نے بعض صحابہ کرام کو ان کے قبائل میں دعوتِ دین کے لئے بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اشعری میں بھیجا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو قبیلہ غفار اور قبیلہ اسلم میں بھیجا اور حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جہینہ میں بھیجا اور حضرت عامر حضرمی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی عبد قیس میں بھیجا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ منورہ میں بھیجا تاکہ وہ ان قبائل کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور ان تک شرائع اسلام پہنچائیں۔

لیکن ہجرت کے بعد یہ دعوتی وفود کا سلسلہ علانیہ جاری ہو گیا۔ اور آپؐ نے سردارانِ قوم اور شاہانِ عالم کو دعوتی خطوط بھی بھیجے اور باطل طاقتوں کو زیر کرنے کے لئے معاندین کے ساتھ جنگ و قتال بھی فرمایا تاکہ دعوتِ حق کی قبولیت میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — اور قتال کرو تم ان سے یہاں تک کہ فتنہ

---

[1] اس کو تفصیل کے ساتھ میں اپنے رسالہ فضائل اذان و اقامت اور عظمت نماز میں بیان کر چکا ہوں۔ ۱۲

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ — نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے

ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہو مذہب کے بارے میں کسی پر جبر و اکراہ نہ ہو۔

ارشاد باری ہے :

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ — مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ نہیں ہے) کیونکہ رشد و ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو گیا ہے

یہ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔ جس کے متعلق اوامر و احکام اور اصول و ہدایات مدینہ منورہ کے دوران قیام میں نازل ہوئے۔

اس سلسلہ کی بکثرت آیات اور تفصیلی واقعات بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اس جہاد اور قتال کا مقصد ملک گیری و زر اندوزی نہ تھا بلکہ کلمۂ حق کو سربلند کرنا تھا اور باطل کو سرنگوں کرنا تھا۔

لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا — تاکہ اللہ کی بات ہی سربلند رہے۔

چنانچہ چالیس سال (دس سال عہد نبوت اور تیس سال عہد خلافت راشدہ) کے قلیل عرصہ میں روئے زمین پر حق غالب آگیا اور باطل طاغوتی طاقتیں اور جبروتی سلطنتیں ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ اور وہ کعبۂ محترمہ جو ہجرت سے پہلے صنم خانہ بنا ہوا تھا، نسل انسانی کے لئے مرکز توحید اور خدا پرستی کا گہوارہ بن گیا۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا — غالب آگیا حق اور مٹ گیا باطل۔ بے شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔

امت مسلمہ کو شر و فساد کے انسداد کے لئے جنگ و قتال کا اسی لئے حکم دیا گیا تاکہ اس کی آمرانہ حیثیت برقرار رہے اور روئے زمین پر اس کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ اس کا مقصد حیات روئے زمین سے شر و فتنہ کا انسداد اور رشد و ہدایت کی اشاعت و ترویج ہو اگر یہ نہیں تو پھر وہ بھی نہیں۔

جب جہاد فی سبیل اللہ کی غرض و غایت پر نظر کی جائے گی تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ ملت اسلامیہ کا وہ اہم فریضہ ہے جس کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :

الجهاد ماض الى يوم القيامة (او كما قال) — جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

کیونکہ ملّت کا عروج و فروغ اسی سے وابستہ ہے اور جس وقت بھی ملّت میں ضعف و انحطاط آئے گا اور مقصدِ بعثت چھوٹ جائے گا دنیا سے خیر مفقود ہو جائے گی اور شر و فساد کی وبا عام ہو جائے گی۔ انسانی خوبیاں مٹ جائیں اور شیطانی باتوں کا عروج و فروغ ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور بیلوں کو اختیار کر لوگے اور کھیتی کو پسند کرلوگے اور جہاد فی سبیل اللہ (یعنی دینی جد وجہد) کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایک ذلّت مسلّط فرمائے گا جس کو اس وقت تک تم سے نہ ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف رجوع نہ کروگے۔ یعنی جب تک تم اللہ کے دین کے لئے جہاد اور جد وجہد اختیار نہ کروگے اس وقت تک تمہارے اوپر سے وہ ذلّت ونکبت دور نہ ہوگی جو تم پر مسلّط کی گئی ہے کیونکہ اس کا اصل باعث دین کے مقابلہ میں دیگر مقاصدِ حیات کی اہمیت ہے اور اپنے مقصدِ حیات کو چھوڑ کر دیگر کمینہ مشاغل میں اشتغال وانہماک ہے۔

ارشادِ نبوی میں 'جہاد فی سبیل اللہ' کو دین سے تعبیر فرمانا اس امر کی کھلی دلیل ہے —— —— کہ جہاد فی سبیل اللہ مہماتِ دین سے ہے جس سے ملّتِ اسلامیہ کا عروج وابستہ ہے۔ اسی حقیقت کی جانب خلیفہ اوّل امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کی تکمیل کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں صحابہ کرام کو متوجّہ فرمایا اور دوران خطبہ میں فرمایا:

• تم میں سے کوئی بھی جہاد کو نہ چھوڑے کیونکہ جو قوم بھی اس کو چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلّت مسلّط فرما دیتے ہیں (محاضرات الخضری جلد ۱ صـ۲۵۶)

یہ قوموں کے عروج وزوال کا فلسفہ ہے کیونکہ کوئی قوم بھی اپنی ملّی خصوصیات کی جد وجہد کو چھوڑ کر اپنے ملّی وجود اور امتیازی خصوصیات کو قائم اور برقرار نہیں رکھ سکتی۔

ان ارشادات کے مطابق اب اگر مسلمان ذلّت ونکبت سے خلاصی پا سکتے ہیں تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور دعوات الی اللہ ہی سے پا سکتے ہیں جو تمام انبیاء کرام کی بعثت اور مصلحین عالم کی مساعی کا خلاصہ اور مقصدِ عظمیٰ ہے۔

جو طریق ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کی عزّت وشوکت کا باعث بنا وہی طریق اب بھی مسلمانوں کو قعرِ مذلّت سے نکال کر اوجِ کمال تک پہنچا سکتا ہے جیسا کہ امام مالکؒ سے منقول

ہے

لن یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما صلح بھا اولھا۔	اس امّت کی آخر دور میں اسی طریق سے اصلاح ہوگی جس طریق سے اوّل دور میں اصلاح ہوئی۔

اگرچہ معاندین کے ساتھ جنگ وقتال کرنا جہاد کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے پھر بھی جہاد فی سبیل اللہ جنگ وقتال میں محصور نہیں۔ جنگ وقتال کے مقاصد اگر بے جنگ وقتال کے دیگر ذرائع سے حاصل ہو جائیں تو وہ ذرائع بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

چنانچہ مدینہ منورہ ہجرت سے پہلے تیرہ سال تک قریش مکّہ کے ساتھ زبانی جہاد کا سلسلہ جاری رہا۔ جب زبانی جہاد کے تمام مراحل طے ہو گئے، ارشاد وتلقین اور دعوت وتبلیغ کے تمام طریقے آزمائے گئے تب قریش کے ساتھ تلوار سے جہاد کی نوبت آئی اور جنگ وقتال نے تعصّب و ہٹ دھرمی کا خاتمہ کیا۔ حق وباطل میں ٹکراؤ ہوا حق غالب آیا اور باطل ٹکرا کر پاش پاش ہوا۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ اسی لئے جہاد کو عام رکھا گیا اور ان تمام مساعی کو جہاد قرار دیا گیا جو اسلامی دعوت کے عروج وفروغ کے لئے اختیار کی جائیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے "تم مشرکوں سے جہاد کرو اپنے اموال سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی اور اپنی زبانوں سے بھی" (سنن ابی داوٗد)

زبانی جہاد اور زبانی مدافعت میں قلمی جہاد اور قلمی مدافعت بھی داخل ہے کیونکہ قلم زبان کا ترجمان ہے اور بات اس حد تک پہنچاتا ہے جہاں تک رسائی سے زبان قاصر ہے۔ زبانی جہاد کے اثرات وقتی ہوتے ہیں اور قلمی جہاد کے نقوش دیرپا ہوتے ہیں اور صدیوں تک باقی رہ سکتے ہیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	اور تیاری کرو تم ان کے مقابلہ کے لئے جس کی بھی تم طاقت رکھتے ہو۔

یہ قلمی جہاد اور علماء امّت کی دماغی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے کہ اس فکری اور عقلی دور میں بھی اسلامی افکار واصول تمام نظریات سے بھاری ہیں اور ہر دور میں غالب رہے اور رہیں گے۔

---

[۱] مجھے ایک عالم کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ۱۲

لایزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق — ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا۔

کوئی مذہب وملت اس حیثیت سے بھی اسلام کے مقابلہ میں نہیں آسکتی سابقہ مذاہب اسی لئے ردّ وبدل اور نیست ونابود ہوئے کہ قلمی جہاد کے تعاون سے خالی تھے۔ آج اُن کی الہامی کتابوں کے صحیح نسخوں کا بھی وجود نہیں ہے جبکہ اسلامی تاریخ کے ہر دور کی علمی مساعی کتابی اوراق پر منضبط اور منقوش ومحفوظ ہے۔ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

حق وباطل کے بارہ میں عادتِ خداوندی یہ ہے کہ حق کو واضح کرکے پہنچا دیا جاتا ہے۔ جب حق بات دماغوں میں پہنچ جاتی ہے تو باطل خیالات دماغوں سے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ — بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک کر مارتے ہیں۔ وہ کھوپڑیوں کو توڑ کر دماغوں میں پہنچتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حق وباطل کو روشنی اور تاریکی سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس جس طرح تاریکی اس وقت تک دور نہیں ہوسکتی جب تک روشنی نہ آئے، اسی طرح باطل کی ظلمت اس وقت تک زائل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے سامنے نورِ حق نہ آئے۔ ارشادِ باری ہے:

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا — اے محمدؐ اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے ہی کیلئے ہے۔

اس دور میں تبلیغ ودعوت اور اسلامی اصولوں کی عام نشر واشاعت کی اہمیت اور ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ آج دنیا میں اصولی نظریاتی سرد جنگ چھڑی ہوئی ہے اور طاقت نشر واشاعت کے ہاتھ میں ہے غلط سے غلط اور باطل سے باطل گمراہی کو نشر واشاعت کے ذریعہ مقبول عام بنایا جاسکتا ہے۔ پھر بھی امورِ حق اور اصولِ دین وفطرت کو دوسروں تک پہنچانے میں کوتاہی عقل وفہم میں آنے والی بات نہیں ہے۔

دینِ حق کے فطری اصول کے مقابلہ میں چونکہ باطل نظریات کی اشاعت ودعوت زیادہ سے زیادہ پھیل رہی ہے، اسی لئے دینِ حق روز بروز مضمحل ہورہا ہے۔ باطل پھیل رہا ہے

اور حق کی روشنی ماند پڑ رہی ہے۔ فَوَا اَسَفَا۔

خصوصاً جبکہ انسانیت کی نجات و فلاح بھی اسلامی اصول سے وابستہ ہے کیونکہ اسلام کے خلاف جس قدر بھی نظریاتِ زندگی قائم کئے گئے تھے وہ آج ناکام ہی نہیں بلکہ نوعِ انسانی کی تباہی اور بربادی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

اس امر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے کہ پروردگار عالم نے سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو تمام نسلِ انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے رسول و نبی، ہادی و رہنما، بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ کی نبوّت و رسالت کسی خاص قوم خاص ملک اور مخصوص زمانہ کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے اور آخر تک کے لئے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا	اے محمدؐ اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر تمام لوگوں کے لئے نعمائے جنّت کی بشارت دینے والا اور آخرت کی سزا سے آگاہ کرنے والا رسول بنا کر۔
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا	اے محمدؐ کہدو کہ اے لوگو میں سب کی جانب اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اسی طرح جو قرآن مجید آپؐ پر نازل کیا گیا اس کی ہدایت بھی عام ہے۔ تمام انسانوں کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان)	بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمائی حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب اپنے بندہ محمدؐ پر تاکہ وہ تمام جہانوں کو (گمراہی کے انجام سے) ڈرائیں۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (انعام)	نہیں ہے وہ مگر یاددہانی تمام جہانوں کے لئے۔
وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (مدثر)	اور نہیں ہے وہ مگر یاددہانی ہر بشر کیلئے
هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (مومن)	رہنمائی اور یاددہانی ہے عقل والوں کے لئے۔

پس جس طرح انبیاء اور رسولوں کی بعثت و نبوت حق تعالیٰ کی جانب سے تمام مخلوق کے

لئے ہدایت بھی ہے اور روزِ حشر حجّت تام بھی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید فرقان حمید بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تمام مخلوق کے لئے پیام ہدایت بھی ہے اور حجّت تام بھی ہے جو روز حشر سرکش باغی انسانوں پر قائم کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا۔

اَلَمْ تَکُنْ اٰیَاتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِھَا تُکَذِّبُوْنَ (مومنون)

کیا نہ تھیں وہ میری آیات جو تم پر پڑھی جاتی تھیں اور تم ان کو جھٹلاتے تھے؟

جب یہ پیام خداوندی اور ہدایت ربّانی تمام انسانوں کے لئے ہے تو اس کو تمام انسانوں تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ پروردگارِ عالم کا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم ہے۔

یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ

اے رسول لوگوں کو پہنچا دو جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

اب جن لوگوں تک بھی قرآنی دعوت پہنچ جائے گی ان کے حق میں حق رسالت کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور گمراہی کے بُرے انجام سے آگاہی بھی جو قرآن مجید کے نزول کے اہم مقاصد سے ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ

اور میری طرف یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا تاکہ میں تمہیں بھی گمراہی کے انجام سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک قرآن پہنچے۔

احادیثِ ذیل سے اس آیت کی پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ "مراد اہل مکّہ ہیں اور جس شخص تک بھی قرآنی دعوت پہنچ جائے تو قرآن مجید اس کے حق میں گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے (درمنثور)

حضرت مجاہد اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن مجید پہنچ گیا تو وہ اس قوم کے لئے حق کا داعی ہے۔ اور اس کو گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے۔

اور قرآن مجید عرب اور عجم دونوں کے حق میں حق تعالیٰ کا نذیر ہے (درمنثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب آیت وَاُوْحِیَ الآیۃ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کو خطوط بھیجے جن میں اُن کو اللہ عزوجل کی جانب دعوت دی (درمنثور) تاکہ جس حد تک جن اقوام تک اور جن سلاطین عالم تک بھی آپؐ اس قرآنی دعوت کو پہنچا سکیں پہنچا دیں اور اس کے وحی و نزول کا مقصد پورا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بعض قیدی پیش کئے گئے تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہیں اسلام کی دعوت دی گئی؟ انہوں نے عرض کیا "نہیں"۔ آپؐ نے ان کو رہا فرما دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ الآیۃ۔ پھر آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو تاکہ یہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں کیونکہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی گئی ہے (درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس شخص کو یہ قرآن پہنچ گیا وہ ایسا ہے کہ میں نے گویا اس سے بالمشافہ بات کر لی (اور اس تک خود پیام الٰہی پہنچا دیا) پھر آپ نے آیت قُلْ اوحی الیّ الآیۃ تلاوت فرمائی (درمنثور)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے آیۃ واوحی الیّ الآیۃ کی تفسیر میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم اللہ کی طرف سے لوگوں کو پہنچاتے رہو۔ کیونکہ جس شخص کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت بھی پہنچ گئی اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچ گیا۔ (درمنثور از ابن جریر وغیرہ)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لوگو تم دوسروں کو پہنچاتے رہو۔ چاہے کتاب اللہ کی ایک ہی آیت ہو۔ کیونکہ جس شخص کو کتاب اللہ کی ایک آیت بھی پہنچ گئی اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچ گیا چاہے وہ اس حکم کو قبول کرے اور یا رد کرے۔ (درمنثور از ابن جریر)

ان احادیث سے آیت کی بخوبی توضیح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ قرآنی دعوت اور اسلامی اصول کو دیگر اقوام تک اس طرح واضح طور پر پہنچا دینا کہ ان کی سمجھ میں آ جائے۔ یہ بھی ضروریات دین اور دینی فرائض میں سے ہے۔ اور قرآن مجید کے نزول کا اہم مقصد ہے۔ چاہے وہ لوگ اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اسی مقصد کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ	اور نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر واضح کر کے پہنچا دینا۔
وَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ	اور بے شک ہمارے رسول کے ذمہ واضح کر کے پہنچا دینا ہے۔

اب اس پر غور کر لیا جاوے کہ اس بارہ میں ہمارے سے کس قدر کوتاہی ہو رہی ہے

o

اس امر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید علمی تاریخی حیثیت سے نازل نہیں ہوا بلکہ اس کی تمام آیات ہمیشہ کے لئے عملی رہنمائی ہیں۔ اسی لئے ناسخ و منسوخ آیات کی صراحت و وضاحت ضروری سمجھی گئی اور منسوخ آیات کو منسوخ العمل قرار دیا گیا۔ اب اگرچہ ہم اعتقادی طور پر تمام قرآن مجید کو برحق مانتے ہیں اس کو احکام خداوندی اور ہدایاتِ ربانی کا مجموعہ جانتے ہیں۔ خیر و برکت اور حصول اجر و ثواب کے لئے اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں لیکن عملی حیثیت سے ہم نے معظم قرآن مجید کو ناقابل عمل قرار دیا ہوا ہے اور اپنی عملی زندگی سے خارج کیا ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید کا بیشتر حصہ انہی امور پر مشتمل ہے جن کو ہم اپنی عملی زندگی سے خارج کئے ہوئے ہیں۔

رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا	پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بیکار بنایا ہوا ہے۔

پھر اگر ذلت و نکبت میں مبتلا ہیں تو اس میں استبعاد کیا ہے؟ جب قانونِ فطرت کی جانب سے لاپروائی برتی گئی تو قانونِ قدرت کے مطابق اس کا نتیجہ بھگتنا بھی ناگزیر تھا۔

ان امور پر اگر غور کیا جائے تو یہ اسلام کی نصرت و حمایت کی مختلف شکلیں ہیں اور اسی عہد و میثاق کی ادائیگی ہے جو روزِ ازل میں تمام اولادِ آدم سے لیا گیا ہے۔ یہ امور جن کی جانب میں نے توجہ دلائی ہے کوئی جدید نظریات نہیں بلکہ ہر دور میں علماءِ حق ان کی جانب توجہ دلاتے رہے اور ان کی فرضیت اور اہمیت کو نمایاں کرتے رہے۔ انفرادی طور پر ان کی ترویج میں کوششیں بھی ہوتی رہیں لیکن جو کام اجتماعی کرنے کے تھے وہ انفرادی مساعی سے کس طرح رواجِ عام اختیار کر سکتے تھے۔ لامحالہ ملت سے چھوٹ گئے۔

میں نے اپنی معلومات پیش کر دیں۔ اب ان پر غور کر کے ملتِ اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کرنا

علماءِ کرام کا کام ہے۔ جو انبیاءِ کرام کے وارث و جانشین ہیں۔ جب تک ملّتِ اسلامیہ کی صحیح رہنمائی نہ ہوگی یہ بگاڑ و فساد، یہ نکبت و ذلّت دور نہیں ہو سکتی۔

یہ سمجھنا کہ تعلیم و تبلیغ، درس و تدریس، وعظ و تذکیر، تصنیف و تالیف، نشر و اشاعت وغیرہ امور جو دینی مراکز میں انجام پا رہے ہیں انہی مذکور کی ادائیگی ہے ایک صریح مغالطہ اور غلط فہمی ہے کیونکہ جو امور دینی مراکز میں انجام پا رہے ہیں وہ اگرچہ دینی اہم خدمات ہیں (اور اس بارہ میں ملّت علماءِ کرام کی ممنون احسان شکر گذار بھی ہے) پھر بھی یہ امور دین کی حفاظتی تدابیر ہیں۔ دین کی نصرت و حمایت نہیں ہیں اور نہ نصرت و حمایت کے اصل مقاصد کو پورا کر رہی ہیں جن سے ملّت کا عروج و فروغ وابستہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان حفاظتی تدابیر کی انتہائی فراوانی کے باوجود ملّت زوال پذیر ہے اور روز بروز انحطاط ہی ہو رہا ہے اور مسلمان ان بیس۲۰ سال میں اس قدر گر گیا ہے جس کا بیس سال پہلے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ پھر یہ نتیجہ معکوس کیوں برآمد ہو رہا ہے۔؟ اگر نصرت و حمایت کے ان اقدامی شکلوں کو ان حفاظتی تدابیر کے ساتھ مجتمع کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان سربلند نہ ہوں۔

"نہایت ضروری انتباہ"

میری عادت ہے کہ میں جو تحریر لکھتا ہوں، چھپوانے سے پہلے وہ متعدد علماءِ کرام کو دکھا لیتا ہوں تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کو صحیح کر لیا جائے، غلط بات نہ پھیلے۔ اس تحریر کو لکھنے کے بعد میں نے حضرت مولانا محمد میاں صاحب کے پاس بھیجا کہ اس کی صحت فرما کر اخبار الجمعیۃ میں شائع کر دیا جائے۔ اخبار الجمعیۃ کی اشاعت کے بعد مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے پاس بھیجا کہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس سے مطلع کر دیا جائے۔ جب مفتی صاحب موصوف نے اس کی تصدیق فرما دی تو پھر حضرت مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دار العلوم کے پاس اس کو بھیجا کہ اگر آپ اس سے متفق ہوں تو اس کو ماہنامہ "دار العلوم" میں شائع فرما دیں تاکہ اس سلسلہ میں علماءِ دیوبند کا مسلک واضح ہو جائے۔ ماہنامہ دار العلوم میں اشاعت کے بعد جب ہر طرح اس کی اشاعت پر اطمینان ہو گیا تو عام ضرورت کے پیش نظر اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ بالکل وہی مضامین اور مقاصد ہیں جو میں نے اب

سے چالیس پیالیس سال قبل سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد سے احیاء العلوم امام غزالی اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصانیف سے اخذ کرکے متعدد رسالوں، (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج، اصلاح انقلاب، اصلاح معاشرت، اسلامی زندگی، پیام عمل، مکمل تعلیم) میں شائع کیے اور اس وقت کے اکابرین علمائے امت سے ان کی تصدیق کرائی جو برابر "تبلیغ کیا ہے؟" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ اس سب کے باوجود یہ نظام الدین کی موجودہ تبلیغ کی تائید نہیں ہے اور نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم و فہم کے مطابق نہ قرآن و حدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور علماء حق کے مسلک کے مطابق ہے۔ جو علماء کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں ان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن و حدیث، ائمہ سلف اور علماء حق کے مسلک کے مطابق کریں۔

چونکہ ایک غلط چیز دین کے نام سے پھیل رہی ہے اور تبلیغ کے نام پر غلط فہمی پھیل رہی ہے۔ یہی میرے نزدیک تمام آفات و بلایا کے نزول کا اصل باعث ہے۔ اسی ضرورت نے مجھے اس رسالہ کی اشاعت پر مجبور کیا تاکہ علماء کرام اس کی طرف توجہ فرماویں اور ان خرابیوں کا انسداد فرماویں جن کی وجہ سے ملت تباہی اور بربادی میں مبتلا ہو رہی ہے۔ یہی اصل مقصود ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ ؕ

میری عقل و فہم سے یہ چیز بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف بدعت حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولی کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو فیوض الحرمین میں بدعت حسنہ ہی کی حیثیت سے اختیار فرمایا ہے اور اسی سے میں نے اس کام کو اخذ کیا۔ اور اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعت حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ میرا مقصد صرف اپنی دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے اور اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے جو میرے رسائل کی وجہ سے پھیل رہی ہے ——

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ؕ

۲ر صفر المظفر ۱۳۸۷ھ — خیر اندیش محمد احتشام الحسن

۱۳ر مئی ۱۹۶۷ء — دار الاشاعت کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ یو۔ پی

نام بھی اچھّا — کام بھی اچھّا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھّا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

تنظیمِ اسلامی کا پندرہواں سالانہ اجتماع

ایک اجمالی رپورٹ

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ وقت کے بہتے ہوئے دریائے بے کراں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح اس کائنات میں ارتقاء کا عمل ہر وقت اور ہر سطح پر جاری رہتا ہے ــــ

ع ثبات اِک تغیّر کو ہے زمانے میں

چنانچہ خواہ بین الاقوامی حالات و واقعات ہوں یا ملکی اور تحریکی و تنظیمی معاملات ہوں، یا انفرادی و شخصی، ہر سطح پر ارتقاء اور تغیّر کا عمل جاری ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ (الانشقاق: ۱۹)

اس حوالے سے دیکھا جائے تو تحریکوں اور تنظیموں کی زندگی میں سالانہ اجتماع کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر تنظیم اپنی اب تک کی پیش رفت کا جائزہ لیتی ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے آغازِ سفر میں جن اہداف اور جس طریقِ کار کا تعین کیا تھا، آیا ہم اب بھی اسی پر کاربند ہیں! پھر خاص طور پر سالِ گزشتہ پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالی جاتی ہے اور طے کردہ سمت میں درستگیٔ سفر پر اجتماعی طور پر اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق ہی سے ممکن ہوا۔ اور اگر بشری کمزوریوں کے باعث کوئی کمی و کوتاہی رہ گئی ہو تو اس پر اللہ سے استغفار کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی فکر اور کوشش کا عزم کیا جاتا ہے

پھر اس موقع پر ملکی حالات و واقعات کو مدِنظر رکھ کر آئندہ کے لیے لائحۂ عمل اور اہداف مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ تنظیم فطری انداز کی نشوونما کو جاری رکھ سکے اور آگے بڑھ سکے ــــ

سالانہ اجتماع کی اہمیت اس حوالے سے بھی مسلّم ہوتی ہے کہ دُور دراز سے آئے ہوئے رفقاء آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے تعارف اور ایک دوسرے

کے حالات وواقعات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ پھر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رفقاء کے سامنے تنظیم کے اساسی فکر کو دوبارہ تازہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح رفقاء اپنے ذہن وشعور میں ایک واضح تصور لے کر ایک ولولۂ تازہ کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں ـــــ اگر ان تمام پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو الحمدللہ کہ تنظیم اسلامی کا پندرہواں سالانہ اجتماع ایک کامیاب اجتماع تھا۔

سالانہ اجتماع کے آغاز کے لیے ۱۹ر مارچ ۱۹۹۰ء بروز سوموار بعد نمازِ عصر کا وقت طے ہوا تھا لیکن اُن رفقاء نے جن کے کاندھوں پر انتظامی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا گیا تھا، دو تین ہفتے قبل ہی سے اس سلسلے میں دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی اور اجتماع کے آغاز سے دو دن قبل ہی اپنے گھروں سے اُٹھ کر قرآن کالج اور قرآن اکیڈمی میں ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

۱۹ر مارچ کو صبح ہی سے رفقاء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ریل گاڑی اور بسوں وغیرہ کے ذریعے آنے والے رفقاء کو خوش آمدید کہنے اور RECEIVE کرنے کے لیے ایک استقبالیہ کیمپ ریلوے سٹیشن پر لگایا گیا تھا۔ یہاں سے رفقاء کو گاڑی کے ذریعے قرآن کالج پہنچایا جاتا تھا۔ قرآن کالج میں بھی ایک استقبالیہ کاؤنٹر لگایا گیا تھا۔ جہاں پر رفقاء اپنے آپ کو رجسٹر کرواتے تھے۔ یہاں سے انہیں اُن کی رہائش گاہ کے بارے میں بتایا جاتا تھا۔ اندرونِ سندھ اور بیرونِ پاکستان سے آنے والے رفقاء کے قیام کا انتظام قرآن اکیڈمی میں تھا۔ جبکہ باقی تمام رفقاء کو قرآن کالج کے ساتھ ملحق ایک پارک میں ٹھہرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے قرآن کالج کے کمروں میں اُن کے قیام کا بندوبست کرنا پڑا۔

اجتماع کے پہلے ہی روز نظم وانتظام اور ایثار وقربانی کے بہت سے واقعات اور مناظر نظر سے گزرے جنہیں طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کیا جا رہا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد نمازِ عصر سالانہ اجتماع کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ قرآنِ حکیم سے ہوا۔ قرآن کالج کا وسیع وعریض قرآن آڈیٹوریم رفقاء سے بھر چکا تھا۔ ناظمِ اعلیٰ پاکستان ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے خطبۂ استقبالیہ دیا۔ ان کی زبان کی روانی

قابلِ داد تھی۔

اس کے بعد ناظمِ اجتماع محترم عبدالرزاق صاحب نے رفقاء کو ہدایات دیں جو کہ ایک FOLDER کی صورت میں طبع شدہ بھی موجود تھیں۔ عبدالرزاق صاحب نے ایک طویل علالت کے بعد جس جانفشانی سے انتظامات میں حصّہ لیا وہ لائقِ تحسین اور قابلِ رشک تھا۔ اور اس پر ان کے لیے تہہ دل سے دعائیں نکلیں۔

بعد نمازِ مغرب محاضراتِ قرآنی کا پہلا دن تھا۔ قرآن آڈیٹوریم رفقاء و احباب سے کھچا کھچ بھرا ہُوا تھا۔ سب سے پہلے امیرِ محترم نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔ سٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری محترم ڈاکٹر البصار احمد صاحب نے انجام دی۔ اس دن مندرجہ ذیل حضرات نے مقالے پڑھے۔

۱۔ پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب نے "اُمتِ مسلمہ کے قرآن حکیم سے بُعد کے اسباب" کے موضوع پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے مقالے کو از سرِ نو مرتب کر کے پیش کیا۔

۲۔ استاذِ مکرم حافظ احمد یار صاحب، جن کا موضوع تھا "خدمتِ قرآنی کے چند گوشے"۔

۳۔ پروفیسر مختیار حسین صدیقی صاحب نے "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام" کے موضوع پر نہایت گراں قدر مقالہ پڑھا جو اس موقع پر طبع شدہ موجود تھا۔

۴۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے مقالے کا عنوان تھا "قرآن حکیم قرنِ اوّل میں اور اس کے بعد۔ ایک بلیغ اشارہ"۔ یہ مقالہ بھی طبع کرا لیا گیا تھا لیکن موصوف نے مقالہ پڑھنے پر تقریر کرنے کو ترجیح دی۔

رات پونے دس بجے اس مجلس کا اختتام ہُوا۔ بعد ازاں تمام شرکاء نے نمازِ عشاء باجماعت ادا کی۔

محاضراتِ قرآنی میں پڑھے جانے والے مقالوں کو ان شاء اللہ العزیز حکمتِ قرآن میں شائع کر دیا جائے گا۔

---

۲۰ مارچ کو نمازِ فجر تمام رفقاء نے قرآن اکیڈمی کی جامع القرآن میں ادا کی۔ قرآن کالج اور قرآن اکیڈمی کی عمارات میں چونکہ تقریباً نصف میل کا فاصلہ ہے لہٰذا قرآن کالج میں مقیم رفقاء کو نماز سے پندرہ منٹ پہلے نکلنا پڑا اور یوں صبح کی سیر کا بھی سامان ہو گیا۔

نماز فجر کے بعد درسِ قرآن کی محفل جمی۔ درس دیا محترم اسد الرحمان صاحب نے (جو کہ کراچی سے تشریف لائے تھے)۔ آپ نے "قیام اللیل اور انفاقِ مال کا اثر مومن کی زندگی پر" کے موضوع پر درسِ قرآن دیا۔ بعد ازاں رفقاء نے ناشتہ کیا۔

صبح ۳۰ - ۸ بجے قرآن آڈیٹوریم میں تنظیم کے سالانہ اجتماع کی دوسری مجلس کا آغاز تلاوتِ قرآنِ حکیم سے ہوا۔ اس کے بعد امیرِ محترم نے خطاب فرمایا۔ آپ نے اجتماع کے انعقاد پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رفقاءِ تنظیم کا شکریہ بھی ادا کیا اور رفقاء کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی سالانہ اجتماع میں اپنی شمولیت پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ امیرِ محترم نے اسی مناسبت سے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴۳ کے ایک ٹکڑے کے حوالے سے جس میں اہلِ جنت کا ترانۂ حمد نقل ہوا ہے، یہ فرمایا کہ کسی بھی احسان اور توفیق و تیسیر پر ترانۂ حمد والہانہ انداز میں بندۂ مومن کے لسان و قلب سے جاری ہونا چاہیے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ میرے ذمے جو کام تھا اور جو کچھ میں کر سکتا تھا وہ میں اللہ کی توفیق و تیسیر سے کر چکا ہوں۔ اب اوروں کا کام ہے کہ وہ آگے بڑھیں۔ خاص طور پر نوجوان آگے بڑھیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ایک طرف تو انجمن خدام القرآن قائم کی اور قرآن اکیڈمی کی بنیاد رکھی پھر قرآن کالج کی داغ بیل ڈالی اور دوسری طرف تنظیم اسلامی کی صورت میں اللہ کی تائید و توفیق سے ایک قافلہ تشکیل دیا۔ تنظیم اسلامی کے ضمن میں ہم نے دو کام کیے ہیں۔ ایک تو صحیح دینی فکر کو نکھارا جو کہ صدیوں کے تحمل انحطاط کے باعث گرد آلود ہو چکی تھی۔ یہ کام اگرچہ اس دور میں بعض اور تحریکوں کے ذریعے بھی ہوا ہے لیکن ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے اسے آگے بڑھایا ہے اور دوسرے "نظامِ جماعت" بیعت کی بنیاد پر تشکیل دیا۔ یہ وہ چیز ہے جو اس دور میں ذہنوں سے نکل چکی ہے حالانکہ کسی دینی جماعت کے نظم کے لیے قرآن و حدیث میں بیعت کے سوا اور کوئی اساس موجود نہیں ہے۔

اب ہم نے الحمد للہ تنظیمِ اسلامی کے لیے ایک واضح نظام العمل مرتب کر لیا ہے جو ایک کتابچے کی صورت میں موجود ہے۔

امیرِ محترم کے خطاب کے بعد مندرجہ ذیل رپورٹیں پڑھ کر سنائی گئیں۔

(۱) تنظیمِ اسلامی پاکستان کی سالانہ رپورٹ۔

(ii) تنظیم اسلامی بیرونِ پاکستان کی سالانہ رپورٹ۔
(iii) تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی سالانہ رپورٹ۔

اس کے بعد پروگرام کے مطابق مرکزی مجلس مشاورت کے ارکان نے اپنا تعارف کرایا۔ بعد میں بیرونِ پاکستان سے آئے ہوئے رفقاء نے بھی اپنا تعارف کرایا۔ تعارف کا یہ سلسلہ عصر تا مغرب کی نشست میں بھی جاری رہا۔

نمازِ مغرب کے بعد محاضراتِ قرآنی کی دوسری نشست ہوئی جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے مقالے پڑھے۔

(i) مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب — مولانا موصوف محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوت پر ہندوستان سے تشریف لائے تھے۔
(ii) مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب (ڈپٹی ڈائریکٹر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ)
(iii) ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب۔ (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب)
(iv) پروفیسر محمد اسلم صاحب (صدر شعبۂ تاریخ، جامعہ پنجاب)
(v) حافظ نذر احمد صاحب (پرنسپل شبلی کالج لاہور)

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے اپنا مقالہ پیش فرمانے کے بعد گہرے تاثر کے ساتھ نہایت دلسوز انداز میں پاکستان کے حالات بالخصوص سیاسی محاذ آرائی اور کراچی و سندھ کے مخدوش حالات پر صدمے اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تقسیم ہند کے وقت ملک تقسیم ہوئے تھے ملت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے ہاں اگر کوئی فساد یا قتل و غارت ہوتا ہے تو ہم برابر کے ذہنی و روحانی کرب و اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب پاکستان کے سیاستدان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہیں تو اس کا اثر بھی ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کے موجودہ سیاست دانوں کو اپنے ملک اور اپنے عوام کا خیال نہیں ہے تو خدارا ان مسلمانوں کا خیال کریں جو کہ ہندوستان میں آباد ہیں۔ اور آپس کی محاذ آرائی ترک کر دیں۔

---

۱۲ مارچ کی صبح فجر کی نماز حسبِ معمول تمام رفقاء نے قرآن اکیڈمی میں ادا کی۔ نماز کے بعد محترم ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی صاحب نے سورۃ الحدید کے دوسرے رکوع کی آیات

کے حوالے سے درسِ قرآن دیا۔ صبح ۸-۳۰ پر قرآن آڈیٹوریم میں امیرِ محترم نے "ہیئتِ تنظیمی اور نظام العمل تنظیمِ اسلامی" نامی کتابچے کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ اس کے بعد پروگرام کے مطابق محترم مختار حسین فاروقی صاحب نے "تعمیرِ سیرت کے عملی پہلو" کے موضوع پر موثّر انداز میں خطاب فرمایا۔ بعد نمازِ عصر محترم مولانا فیض الرحمان صاحب کا خطاب تھا۔ انہوں نے اپنے مخصوص اور دلنشیں انداز میں گرمیٔ محفل کا سامان کیا۔

نمازِ مغرب کے بعد محاضراتِ قرآنی کی تیسری اور آخری نشست منعقد ہوئی۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے مقالے پڑھے۔

(i) مولانا محمد سعید الرحمان علوی صاحب (لاہور) مولانا کا مقالہ طبع شدہ موجود تھا مقالے کے بعض نکات پر امیرِ تنظیم نے بعد میں محاکمہ بھی فرمایا۔)
(ii) عبدالکریم عابد صاحب (مدیر "جسارت" کراچی)
(iii) علامہ سید غلام شبیر بخاری صاحب (سابق ڈائریکٹر، محکمہ تعلیمات، پنجاب)
(iv) پروفیسر محمد سعید شیخ صاحب (سابق ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ)
(v) ڈاکٹر ابصار احمد صاحب۔

---

۲۲ مارچ کی صبح بعد نمازِ فجر محترم ڈاکٹر عارف رشید نے درسِ قرآن دیا۔ آپ کی آواز اور درس دینے کا انداز امیرِ محترم سے بہت مشابہ ہے۔ صبح ۸-۳۰ بجے دوسری نشست میں قرآن آڈیٹوریم میں مندرجہ ذیل حضرات نے خطاب فرمائے۔

(i) میاں محمد نعیم صاحب (ناظم تربیت)۔ موضوع تھا: "تعمیرِ سیرت کے لیے عملی کردار"۔
(ii) ڈاکٹر عبدالخالق صاحب (ناظمِ اعلیٰ پاکستان)۔ موضوع تھا: "رفقاء کو باہم ایک دوسرے سے جوڑ کر ایک مضبوط فصیل بنانے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے"۔
(iii) سراج الحق سیّد صاحب نے رفقاء کے تنظیم سے اختلافِ رائے کو دُور کرنے یا اس کو سلجھانے کے موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی۔

بعد ازاں امیرِ محترم نے خطاب فرمایا اور چند اہم فیصلوں کا اعلان فرمایا:-

(i) آئندہ "منتظم رفیق" کی اصطلاح کی بجائے "ملتزم رفیق" کی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔

(iii) نئے نظام العمل (جس کا مطالعہ کیا گیا تھا) کے بارے میں رفقاء کی طرف سے تجاویز ۱۰ دن کے اندر اندر آجانی چاہئیں تاکہ ان کی روشنی میں اسے حتمی شکل دی جاسکے۔

(iiii) نئے نظام العمل کی باضابطہ تنفیذ کو دو ماہ تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہے۔

(vi) مبتدی رفقاء کو ملتزم رفقاء کا درجہ دینے کے لیے۔ اروزہ تربیت گاہ یکم تا ۱۰ ارمئی ۹۰ء کو منعقد ہوگی۔

(v) ۱۵ ارمئی تا ۲۰ رمئی امیرِ تنظیم اندرونِ ملک تنظیمی دورہ کریں گے۔

بعدہٗ امیر محترم نے پروفیسر غازی احمد صاحب کا تعارف کرایا جس کے بعد غازی صاحب نے اپنا مفصّل گرانقدر مقالہ پڑھا۔ موصوف نے یہ مقالہ 'محاضراتِ قرآنی' کے لیے تحریر فرمایا تھا۔

نمازِ عصر کے بعد حسبِ پروگرام شمس الحق اعوان صاحب امیر حلقہ وسطی پنجاب کا خطاب تھا۔ انہوں نے انتخابی، تبلیغی اور انقلابی طریقِ کار کا فرق واضح کیا اور آخر میں اپنے اشعار بھی سنائے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے "دینی ذمہ داریوں سے انحراف اور شیطان کے ہتھکنڈے" کو اپنے خطاب کا موضوع بنایا اور دلپذیر انداز میں اپنے خیالات رفقاء کے سامنے رکھے۔

نمازِ مغرب کے بعد کی نشست امیرِ محترم کے اختتامی خطاب کے لیے مخصوص تھی۔ آپ نے سب سے پہلے تو 'فرائضِ دینی کے جامع تصوّر' پر مشتمل اُس دو ورقے کا مطالعہ کرایا جو انہوں نے ۱۹۸۵ء کے محاضرات کے موقع پر تحریر فرمایا تھا اور جس پر علماء حضرات کو اظہارِ رائے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس تحریر کے مطالعہ سے رفقاء کرام کے ذہنوں میں وہ پورا فکر از سرِ نو تازہ ہوگیا جو تنظیمِ اسلامی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے لیے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد امیرِ محترم نے ملکی و سیاسی مسائل کے بارے میں اپنی سوچ اور فکر کا خلاصہ بھی رفقاء کے سامنے چند نکات کی شکل میں بیان فرمایا۔ اس کی نوعیت بھی گویا اعادے کی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ رفقاء کے ذہنوں میں اس سلسلے میں اگر کوئی ابہام ہے تو وہ رفع ہوجائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم جمہوریت کی تائید اور مارشل لاء کی مذمت کریں

گے۔ مارشل لاء اس ملک کے لیے سمِ قاتل ہے جبکہ جمہوریت کے ضمن میں ذہناً ہمیں اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیئے کہ جیسے جمہور ہوں گے ویسی ہی جمہوریت ہوگی۔ تاہم ملکی سلامتی اور بقاء کے لیے جمہوری عمل کا چلتے رہنا ناگزیر ہے۔ بصورتِ دیگر شدید اندیشہ ہے کہ صورت وہ ہو جائے ع کہ برگ و خس بیاور دیم و شاخِ آشیاں گم شد!۔

آپ نے مزید فرمایا کہ جمہوریت کی گاڑی اُس وقت تک مستحکم طور پر پٹڑی پر نہیں چل سکتی جب تک کہ دو منظم جماعتیں ایک دوسرے کے مدِ مقابل نہ ہوں۔ پی پی پی کے مقابلے میں مسلم لیگ کو ایک منظم جماعت کی صورت میں آنا چاہیئے۔ تاکہ ملک کی سیاسی گاڑی بھلے طریقے سے آگے بڑھ سکے۔ امیرِ محترم نے اپنے خطاب میں اس نکتے کی جانب بھی توجہ دلائی کہ ہمیں جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت سے اپنے تشخص کو بایں طور واضح کرنا ہوگا کہ ہمیں ان سے اتفاق و اختلاف کہاں ہے اور کیوں ہے!

پھر اگلے سال کے منصوبوں کے بارے میں آپ نے فرمایا:

(۱) یہ سال تنظیم اسلامی کے لیے 'LAUNCHING YEAR' ہوگا۔ اب ہمیں اپنے قدم آگے بڑھانے ہیں اور تنظیم کو ایک چلتے ہوئے قافلے کی شکل دینی ہے۔

(۲) پورے ملک میں صوبائی یا ڈویژنل بنیادوں پر چھ یا سات حلقے تشکیل دیئے جائیں گے اور ان کے دفاتر باضابطہ طور پر قائم کیے جائیں گے تاکہ تنظیم کے کام کو مناسب طور پر آگے بڑھایا جا سکے۔

(۳) اسی سال کے دوران ہر ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی سطح پر ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا جائے گا۔

---

۲۳ مارچ بروز جمعہ بعد نمازِ فجر ہمارے پشاور کے رفیق حافظ مقصود احمد صاحب نے درسِ قرآن دیا۔ آپ نے جدید سائنس اور قرآنی آیات میں تطبیق کے حوالے سے درس دیا۔ جسے نوجوانوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد رفقاء جمعۃ المبارک اور جلسۂ عام کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ جلسۂ عام کے پروگرام کا آغاز۔ ۱۰ بجے صبح رحمت اللہ بڑھا صاحب (ناظم بیت المال) کے خطاب سے ہوا۔ آپ نے "فرائضِ دینی کے جامع تصوّر" کے موضوع پر مؤثر انداز میں خطاب فرمایا۔ قریباً گیارہ بجے امیرِ محترم کا خطاب شروع ہوا۔ موضوع تھا "پاکستان کا مستقبل — روشن یا تاریک؟"

خطاب کے آغاز ہی میں قرآن اکیڈمی چوک اپنی تنگ دامانی پر شاکی نظر آتا تھا۔ بیٹھنے کو جگہ باقی نہ رہی تو بعد میں آنے والوں کو جلسہ گاہ کے اطراف میں کھڑے ہو کر خطاب سننا پڑا۔ دو گھنٹے پر محیط یہ خطاب نہایت فکر انگیز، مؤثر اور دلپذیر تھا۔

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر رفقاء نے کھانا کھایا اور پھر اپنے اپنے علاقوں، شہروں اور گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ یوں سالانہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

اس رپورٹ سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ تنظیم اسلامی میں بحمد اللہ ایک SECOND LINE تیار ہو چکی ہے۔ اسی SECOND LINE میں سے چار نوجوانوں نے بعد نمازِ فجر درسِ قرآن کی محفلوں کو رونق بخشی۔ جبکہ ۷۔۸ حضرات نے خطابات فرمائے۔ امیرِ محترم پر بجا طور پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

فللّٰہ الحمد و المنۃ۔

مرتب: محمد راشد، لاہور

MOVING & STORAGE

VANPAC (PAK) INC.

VANPAC

P.O. BOX 6028
8-A, Commercial Building
Abid Majeed Road, Lahore Cantt. PAKISTAN
CABLES: "VANCARE"
PHONES OFF. : 372532 - 373446
RES. : 372618

بقیہ : عرضِ احوال

قارئین نوٹ کرلیں کہ مذکورہ بالا خصوصی رعایت تین شرائط کے ساتھ ہے

i) آپ کی طرف سے کتابوں کا آرڈر رمضان المبارک کے اندر اندر موصول ہو جائے -

ii) آرڈر کے ساتھ کم سے کم نصف قیمت کا منی آرڈر منسلک ہونا چاہئے - اور -

iii) یہ کہ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا -

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی برکات کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے اور "عِتْقٌ مِنَ النَّارِ" کا بھرپور سامان کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

'بندگی کی صراطِ مستقیم' کے عنوان سے مولانا احتشام الحق کاندھلوی کا ایک گرانقدر مضمون اِس شمارے میں شامل ہے - مضمون اور صاحبِ مضمون کے بارے میں تعارفی کلمات تو مضمون کے آغاز میں درج کر دیئے گئے ہیں - ان سطور میں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ "شَہِدَ شَاہِدٌ مِن اَہلِہَا" کے مصداق جماعتِ تبلیغی کے بارے میں اِسی جماعت سے متعلق ایک جیّد عالمِ دین کا یہ تبصرہ محض اَلدِّینُ النَّصِیحَۃ' کے جذبے کے تحت شائع کیا جا رہا ہے - تبلیغی جماعت یقیناً بہت بڑا کارِ خیر انجام دے رہی ہے لیکن ان کے طریقِ کار اور تصوّرِ دین میں جو کمی یا کوتاہی موجود ہے اس کے ادراک کے بغیر اصلاحِ احوال کے امکان کی کوئی صورت نہیں بن سکتی - کیا عجب کہ جماعت کے کارپردازان کے لیے مولانا کاندھلوی کی یہ تحریر سُرمۂ چشم بن کر چشم کشائی کی موجب بن سکے - اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ -

مبتدی رفقاءِ تنظیمِ اسلامی متوجّہ ہوں

مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی پاکستان، ۶۷/اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو میں

ایک خصوصی تربیت گاہ

از ۴ مئی ۹۰ تا ۱۱ مئی منعقد ہو رہی ہے - اِن شَاءَ اللّٰہ

جس میں وہ تمام مبتدی رفقاء شریک ہوں گے، جنہوں نے مبتدی تربیتی نصاب مکمل کر لیا ہو -

نوٹ: تربیت گاہ کے پروگرام کا آغاز جمعہ ۴ مئی کو امیر تنظیم کے خطابِ جمعہ سے ہوگا -

المعلن: ڈاکٹر عبد الخالق ناظمِ اعلیٰ تنظیمِ اسلامی پاکستان -

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

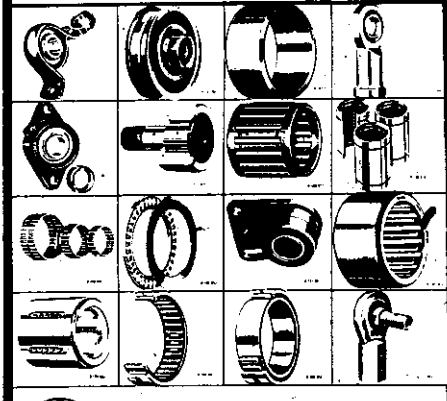

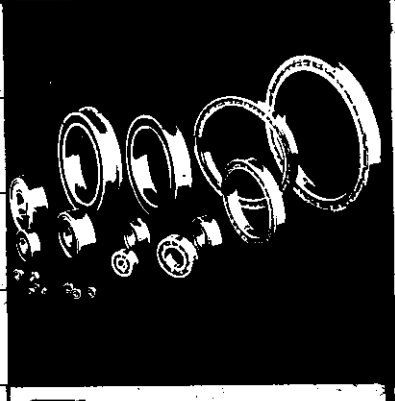

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

NACHI NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی

رُوح افزا

تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔

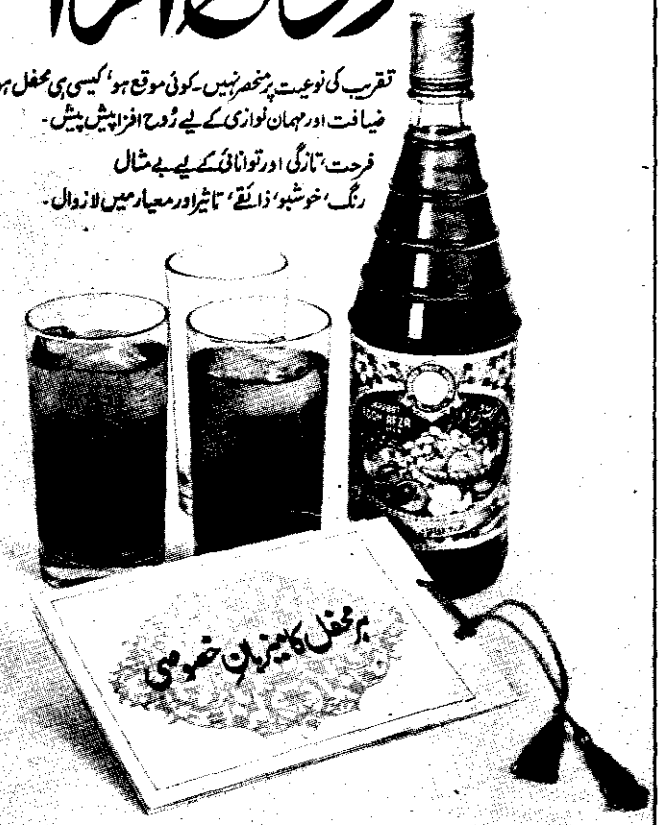

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رُوح پاکستان۔ رُوح افزا
راحتِ جہان۔ رُوح افزا

ہمدرد
خدمتِ خلق رُوح و اخلاق ہے

ADARTS HMD-6/87

Jawad®
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

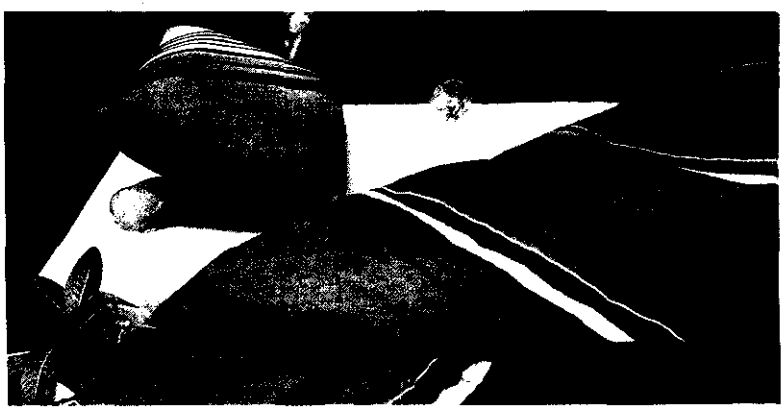

For furtner details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 39 No. 4
APRIL 1990